جنوری، فروری ۲۰۱۸ء Jan. Feb. 2018

مناظر اہل سنت
مفتی عبد المنان کلیمی
سے ایک ملاقات

"۔۔۔ موجودہ دور میں ہمارے لئے مکمل آئیڈیل حسام الحرمین شریف اور فتاویٰ رضویہ شریف ہے جو تحریر یا جو فکر یا جو عقیدہ و عمل اس کے خلاف ہو گا وہ واضح طور پر نا قابل قبول ہے آج ایسا جو لوگ بھی کر رہے ہیں وہ جماعت مخالف ہیں، ان کا احتساب ہونا چاہئے اور آپ کا الرضا اپنے مخلص علما کے ذریعہ یہ کام کر رہا ہے۔ واضح رہے کہ ہمارے یہاں پہلے بھی صلح کلیت اور غیر مقلدیت کے لیے کوئی جگہ نہ ہے نہ آج ہے اور نہ صبح قیامت تک رہے گی۔۔"

مسجد اقصیٰ: ماضی سے حال تک کا خونی سفر

طلاق ثلاثہ کے خلاف بل: ذمے دار کون؟

مسئلہ اقامت کا تنقیدی جائزہ

فلسطین کے سینہ میں امریکی خنجر

مجلس شرعی کا خطبۂ صدارت: تجزیاتی مطالعہ

مدارس اسلامیہ مسائل اور تقاضے

چیف ایڈیٹر
ڈاکٹر امجد رضا امجد

جنوری، فروری ۲۰۱۸ء مطابق ربیع الآخر جمادی الاول ۱۴۳۹ھ

بیادگار

امام اہلسنت سیدنا سرکار اعلیٰ حضرت

امام احمد رضا قادری قدس سرہ العزیز

بَظِلِّ رُوحَانی

حجۃ الاسلام حضرت علامہ الشاہ
محمد حامد رضا خاں قدس سرہ العزیز

مفتی اعظم ہند حضرت علامہ الشاہ
محمد مصطفیٰ رضا نوری قدس سرہ العزیز

زیر سایۂ کرم

جانشین حضور مفتی اعظم ہند تاج الشریعہ قاضی القضاۃ فی الہند حضرت علامہ الشاہ مفتی اختر رضا خاں قادری رضوی الازہری مدظلہ العالی
بریلی شریف (اترپردیش)

زیر عاطفت

محدث کبیر حضرت علامہ الحاج الشاہ
ضیاء المصطفیٰ قادری امجدی مدظلہ العالی جامعہ امجدیہ، گھوسی (اترپردیش)

مراسلت و ترسیل زر کا پتہ

دوماہی 'الرّضا' انٹرنیشنل، پٹنہ

ہیرا کامپلیکس، قطب الدین لین، نزد دریاپور مسجد

سبزی باغ، پٹنہ 800004 رابطہ: 9835423434 /8521889323

ای میل: alraza1437@gmail.com

Bimonthly AL-RAZA (International) Patna
C/o. Ahmad Publications Pvt. Ltd.
Hira Complex, Qutubuddin Lane, Near Daryapur Masjid,
Sabzibagh, Patna - 4, E-mail: alraza1437@gmail.com,
Contact / Telegram / Whtsapp: 8521889323

رابطہ: (مدیر اعلیٰ) amjadrazaamjad@gmail.com/9835423434

پتہ: القلم فاؤنڈیشن نزد شادی محل، سلطان گنج پٹنہ ۶ (بہار)

قیمت فی شمارہ: ۲۵ روپے، سالانہ ۱۵۰ روپے بیرون ممالک سالانہ ۲۰ امریکی ڈالر

گول دائرے میں سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپ کا زر سالانہ ختم ہو چکا ہے برائے کرم اپنا زر سالانہ ارسال فرمائیں تاکہ رسالہ بروقت موصول ہو سکے۔

پرنٹر پبلشر احمد رضا صابری ڈائریکٹر احمد پبلیکیشنز (پرائیویٹ لمیٹڈ) نے سبزی باغ سے طبع کر کے دفتر دوماہی الرضا انٹرنیشنل، پٹنہ سے شائع کیا۔

مشمولات

ادارہ شرعیہ کے قاضی شریعت مفتی سید شاہ خورشید انور شمسی کے لئے دعائے صحت — 3

کلام الامام
- کہ تجھ سے کوئی اوّل ہے نہ تیرا کوئی ثانی ہے — حسان الہند امام احمد رضا قادری — 4

اداریہ
- مسجد اقصیٰ: ماضی سے حال تک کا خونی سفر (مہمان اداریہ) مولانا ملک الظفر سہسرامی — 5

تاثرات
- مولانا محمد عیسیٰ رضوی قنوج ■ مولانا ادریس رضوی کلیان ■ مفتی جمیل احمد رضوی، پٹنہ — 8
- مفتی مظفر حسین رضوی مصباحی گیا ■ مولانا ماہ زماں رضوی بنگلور ■ حافظ شمس الحق رضوی لدھیانہ

افکار اسلامی
- فلسطین کے سینہ میں امریکی خنجر — صابر رضا رہبر مصباحی — 12
- مدارس اسلامیہ مسائل اور تقاضے — ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری — 15

تنقید واحتساب
- مسئلہ اقامت کا تنقیدی جائزہ — مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی — 20
- مجلس شرعی کا خطبہ صدارت کا تجزیاتی مطالعہ — مولانا طارق انور مصباحی — 32
- طلاق کے خلاف بل: ذمے دار کون؟ — پرویز عالم — 36

مصاحبات
- حضرت مناظر اہل سنت مفتی عبدالمنان کلیمی مرادآباد سے ایک ملاقات — 38

عرفان شخصیات
- امام احمد رضا قدس سرہٗ ایک عظیم مجدد — ریاض فردوسی پٹنہ — 47
- حضرت شاہ محمد تقی بلخی: حیات کے چند عظیم گوشے — سید شاہ ابصار الدین بلخی فردوسی — 50
- حجۃ الاسلام کی شخصیت اور ان کے تصنیفی کارنامے — ڈاکٹر محمد امجد رضا امجد — 53
- مولانا غلام یٰسین رضوی کی حیات کے یادگار گوشے — مولانا غلام سرور قادری — 55

اظہار خیالات
- تنقید برمحل میری نظر میں — مولانا طارق انور مصباحی — 60
- تنقید سے بہتر جہد مسلسل — مولانا قمر عثمانی لکھنو — 61

حریم ادب
- سید شاہ طلحہ رضوی برقؔ — مفتی محمد قاسم براہیمی — علامہ شبنم کمالی — 63
- اولاد رسول قدسی — امجد رضا امجد — 64

□□□

خانقاہ شمسیہ ارول کے ولی عہد
اورمرکزی ادارہ شرعیہ بہار پٹنہ کے قاضی شریعت

حضرت مفتی سید شاہ خورشید انور شمسی مدظلہ العالی کے لئے

دعائے صحت

عالم فاضل عارف مفتی خطیب یعنی حضرت مفتی سید شاہ خورشید انور شمسی مدظلہ العالی، خانقاہ شمسیہ ارول (بہار) کے ولی عہد اور ادارہ شرعیہ بہار کے قاضی شریعت ہیں۔ بڑی باغ و بہار شخصیت کے مالک ہیں، خوبصورت خوب طینت، خوش فہم، خوش فکر، خوش ادا، خوش نوا، باحیا و بے ریا، جیسی خوبیاں ان کی ذات پہ پورے طور پہ چسپاں ہیں یہی وجہ ہے کہ جوان بوڑھا بچہ عالم عابد شاعر مقرر سب ان کی محبتوں کے اسیر ہیں، مگر کچھ دنوں سے یہ چاند گہنایا ہوا ہے جس سے خاندان سے لے کر ان کے چاہنے والے تک اداس وفکر مند ہیں۔ امراض کے حملہ نے انہیں کلکتہ میں زیر علاج رکھا ہے اور ان کی محبت کا ہر مریض ان کی صحت وشفا کے لئے دعا گو ہے ادارہ شرعیہ کی انتظامیہ سے لے کر تمام طلبہ ومدرسین ان کے لئے دست بہ دعا ہیں ۔ان دعاؤں کے آثار نمایاں ہیں اور اب سید صاحب قبلہ روبصحت ہیں۔

قارئین الرضا سے بھی گزارش ہے کہ وہ حضرت سید صاحب کے لئے خصوصی دعا کا اہتمام کریں سید صاحب قبلہ علم وتصوف کے سنگم ہیں اور ایسے لوگ خاندان ہی نہیں پوری جماعت کی امانت ہوتے ہیں۔

مجلس الرضا کے تمام افراد ان کی صحت کے لئے دعا گو ہیں کہ خداوند قدوس انہیں جلد شفایاب فرمائے اور انہیں وہ صحت دے کہ وہ جلد از جلد دار القضا ادارہ شرعیہ کے مسند قضا اور خانقاہ شمسیہ ارول کی گدی کو رونق بخشیں۔

اسیر محبت سادات
محمد امجد رضا امجد
چیف ایڈیٹر الرضا انٹرنیشنل پٹنہ

منظومات

کہ تجھ سے کوئی اوّل ہے نہ تیرا کوئی ثانی ہے

حسان الہند امام احمد رضا قادری

نہ عرش ایمن نہ اِنِّیْ ذَاھِبٌ میں میہمانی ہے
نہ لطفِ اُدْنُ یَا اَحْمَدْ نصیبِ لَنْ تَرَانِیْ ہے

نصیبِ دوستاں گر اُن کے دَر پر مَوت آنی ہے
خدا یوں ہی کرے پھر تو ہمیشہ زندگانی ہے

اُسی در پر تڑپتے ہیں مچلتے ہیں بلکتے ہیں
اٹھا جاتا نہیں کیا خوب اپنی ناتوانی ہے

ہر اِک دیوار و در پر مہر نے کی ہے جبیں سائی
نگارِ مسجدِ اقدس میں کب سونے کا پانی ہے

ترے منگتا کی خاموشی شفاعت خواہ ہے اُس کی
زبانِ بے زبانی ترجمانِ خستہ جانی ہے

کھلے کیا رازِ محبوب و محب مستانِ غفلت پر
شرابِ قَدْ رَاٰی الْحَقّ زیبِ جامِ مَنْ رَّاٰنِیْ ہے

جہاں کی خاکروبی نے چمن آرا کیا تجھ کو
صبا ہم نے بھی اُن گلیوں کی کچھ دن خاک چھانی ہے

شہا کیا ذات تیری حق نما ہے فردِ امکاں میں
کہ تجھ سے کوئی اوّل ہے نہ تیرا کوئی ثانی ہے

کہاں اس کو شکِ جانِ جناں میں زَر کی نقّاشی
اِرم کے طائرِ رنگِ پریدہ کی نشانی ہے

ذِیَابٌ فِیْ ثِیَابٍ لب پہ کلمہ دل میں گستاخی
سلام اسلام ملحد کو کہ تسلیمِ زبانی ہے

یہ اکثر ساتھ اُن کے شانہ و مسواک کا رہنا
بتاتا ہے کہ دل ریشوں پہ زائد مہربانی ہے

اِسی سرکار سے دنیا و دیں ملتے ہیں سائل کو
یہی دربارِ عالی کنزِ آمال و امانی ہے

دُرودیں صورتِ ہالہ محیطِ ماہِ طیبہ ہیں
برستا امّتِ عاصی پہ اب رحمت کا پانی ہے

تعَالَی اللہ استغنا ترے در کے گداؤں کا
کہ ان کو عارِ فرّ و شوکتِ صاحِبْ قِرانی ہے

وہ سرگرمِ شفاعت ہیں عَرَق افشاں ہے پیشانی
کرم کا عطر، صندل کی زمیں، رحمت کی گھانی ہے

یہ سر ہو اور وہ خاکِ در، وہ خاکِ در ہو اور یہ سر
رضاؔ وہ بھی اگر چاہیں تو اب دل میں یہ ٹھانی ہے

□□□

مہمان اداریہ

مولانا ملک الظفر سہسرامی

مسجد اقصیٰ: ماضی سے حال تک کا خونی سفر

"۔۔۔۔۔۔نہ صرف مسجد اقصیٰ بلکہ اس کے اردگرد کے علاقوں کے بابرکت وعظمت ہونے پر اللہ تعالیٰ نے قرآن مقدس میں شہادت پیش فرمادی۔اسی مقدس مسجد میں تو اللہ کے حبیب حضرت محمد ﷺ نے شب معراج تمام انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی امامت کا فریضہ انجام دیا اور پھر وہیں سے آسمانوں کی سیر فرماتے ہوئے سدرۃ المنتہیٰ اور پھر اس سے اوپر تشریف لے گئے اسے مسلمانوں کے قبلۂ اول کی حیثیت بھی حاصل ہے۔جن تین مساجد کو دنیا کی تمام مساجد میں امتیاز وافتخار حاصل ہے، جہاں نماز پڑھنے کے قصد وارادے سے سفر کرنے کی اجازت ہے، جہاں عبادتوں کے لئے بے شمار فضائل روایتوں میں آئے ہیں اور بہت زیادہ اجر کی نوید سنائی گئی ہے ان تین میں مسجد اقصیٰ کو تیسرا درجہ حاصل ہے۔اسی بابرکت سرزمین پہ حضرت سیدنا سلیمان علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا تعمیر کردہ عبادت خانہ بھی ہے جو قوم یہود کا قبلہ ہے، یہی تقدس مآب سرزمین حضرت سیدنا عیسیٰ علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا مقام ولادت ہے اور یہی سرزمین ان کی تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز رہی، اس کے علاوہ بھی آثار وتبرکات کی ایک پوری دنیا آباد ہے جس کے سبب یہ ارض مقدس مسلمان، یہود اور نصاریٰ کے نزدیک مقدس اور بابرکت رہا۔۔۔۔۔۔"

آج سے ۲۵ر سال پہلے ۶ر دسمبر کی تاریخ پوری دنیائے اسلام بالخصوص مسلمانان ہند کے لیے تاریخی اور یادگاری حیثیت اختیار کرگئی۔جب ہندواحیاء پرستوں نے مذہبی دہشت گردی کے نام پہ مسلمانوں کی قدیم تاریخی عبادت گاہ کو منظم طریقہ سے اپنی جارحیت کا نشانہ بنایا اور دیکھتے دیکھتے یہ تاریخی مسجد پورے طور پر مسمار کردی گئی۔اس زمانے میں بھی ملک دشمن عناصر کے اس مکروہ وناپسندیدہ عمل کے خلاف وطن دوست سیکولر اور رواداری کا درس دینے والے افراد نے صدائے احتجاج بلند کی، مضامین لکھے گئے، تقریریں ہوئیں، اداریے تحریر کئے گئے اور انصاف پسند طبقہ مسلمانوں کے ساتھ ہونے والے ظلم اور ناانصافی کے خلاف سرگرم عمل ہوا۔جس سے اس بات کو تقویت کا سامان فراہم ہوا کہ ظلم وناانصافی کے خلاف انسانیت کا سبق پڑھنے اور پڑھانے والے اس زمین سے ختم نہیں ہوئے ہیں۔

آج پھر اسی تاریخ کو مسلمانان عالم کی پشت پر خنجر زنی کی گئی۔دنیا نے حیرتوں کے ساتھ یہ فیصلہ سنا، دیکھا اور پڑھا کہ دنیا بھر میں عدل وانصاف کی دُہائی دینے والا امن عالم کا بلند بانگ نعرہ لگانے والا اور بزعم خویش پوری دنیا میں قیام امن کا خواب دیکھنے والا امریکہ جس کے موجودہ صدر ڈونالڈ ٹرمپ نے بیت المقدس (یروشلم) کو اسرائیل کا دارُالحکومت تسلیم کرتے ہوئے اپنا سفارت خانہ تل ابیب سے بیت المقدس (یروشلم) منتقل کرنے کا علان کردیا۔اس جارحانہ اور غیر منصفانہ فیصلے نے جہاں دنیا بھر کے امن پسند اور منصف مزاج افراد کو اضطراب

و پریشانی میں مبتلا کر دیا وہیں مشرق وسطیٰ میں قیام امن کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کر دی ہیں امریکی صدر کے متعصبانہ فیصلے کے خلاف دنیا بھر میں غم و غصے کی لہر پیدا ہوگئی ہے۔ دنیا کے گوشے گوشے سے اس کے ردعمل میں احتجاجی صدائیں بلند ہو رہی ہیں اکثر ممالک جن میں امریکہ کے حلیف بھی شامل ہیں اس غیر منصفانہ اور جارحانہ فیصلے کے خلاف دنیا بھر کے انصاف پسندوں کی آواز بن گئے ہیں۔

بیت المقدس (یروشلم) دنیا کے جغرافیے پر ایک ایسا مقام ہے جسے تین مذاہب کے ماننے والوں کے درمیان مشترکہ طریقے پر تقدس و عظمت حاصل ہے اور یہ تاریخی مقام مسلمان، یہود و نصاریٰ تینوں کی توجہات کا مرکز ہے اس بابرکت مقام سے آثار و تبرکات کا ایک ایسا خوبصورت سلسلہ جڑا ہوا ہے کہ تینوں مذاہب کے ماننے والے افراد اسے عقیدت و محبت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

بیت المقدس فلسطین کا ایک شہر ہے جہاں مسجد اقصیٰ اور مسجد قبۃ الصخرۃ واقع ہیں۔ مسجد اقصیٰ جو سفر معراج کا ایک اہم تاریخی پڑاؤ ہے جس کے تعلق سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا ''سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ'' ترجمہ: پاکی ہے اسے جو راتوں رات اپنے بندے کو لے گیا مسجد حرام (خانہ کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) تک۔ جس کے گرداگرد ہم نے برکت رکھی۔

نہ صرف مسجد اقصیٰ بلکہ اس کے اردگرد کے علاقوں کے بابرکت و عظمت ہونے پر اللہ تعالیٰ نے قرآن مقدس میں شہادت پیش فرمادی۔ اسی مقدس مسجد میں تو اللہ کے حبیب حضرت محمد ﷺ نے شب معراج تمام انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی امامت کا فریضہ انجام دیا اور پھر وہیں سے آسمانوں کی سیر فرماتے ہوئے سدرۃ المنتہیٰ اور پھر اس سے اوپر تشریف لے گئے اسے مسلمانوں کے قبلۂ اول کی حیثیت بھی حاصل ہے۔ جن تین مساجد کو دنیا کی تمام مساجد میں امتیاز و افتخار حاصل ہے، جہاں نماز پڑھنے کے قصد و ارادے سے سفر کرنے کی اجازت ہے، جہاں عبادتوں کے لئے بے شمار فضائل روایتوں میں آئے ہیں اور بہت زیادہ اجر کی نوید سنائی گئی ہے ان تین میں مسجد اقصیٰ کو تیسرا درجہ حاصل ہے۔ اسی بابرکت سرزمین پہ حضرت سیدنا سلیمان علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا تعمیر کردہ عبادت خانہ بھی ہے جو قوم یہود کا قبلہ ہے، یہی تقدس مآب سرزمین حضرت سیدنا عیسیٰ علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا مقام ولادت ہے اور یہی سرزمین ان کی تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز رہی، اس کے علاوہ بھی آثار و تبرکات کی ایک پوری دنیا آباد ہے جس کے سبب یہ ارض مقدس مسلمان، یہود اور نصاریٰ کے نزدیک مقدس اور بابرکت رہا۔

سرزمین فلسطین پر یہودیوں کے غاصبانہ قبضے کو ستر سال کا عرصہ گزر گیا اس درمیان اس مقدس سرزمین پر مسلمانوں کے خون ناحق سے ہولی کھیلی گئی، بچوں کو ظلم و ستم کا نشانہ بنایا گیا، عورتوں کو بے آبرو کیا گیا، ظلم و ستم اور جور و جفا کا وہ کون سا حربہ ہے جو قوم مسلم پہ نہ آزمایا گیا ہو۔ ہر دن مسلمانوں پر قیامت بن کر گذر رہا ہے، طلوع آفتاب کے ساتھ ہر دن ظلم و ستم کی ایک نئی داستان تحریر ہو رہی ہے۔ اس سرزمین کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے پتا چلتا ہے کہ جب تک یہ علاقہ مسلمانوں کے زیر نگیں رہا ہر طرف امن و سکون تھا کسی طرح کا انتشار نہ تھا، ہر مذہب کے ماننے والوں کو مکمل آزادی تھی، کسی طرح کا جبر و دباؤ نہ تھا۔ مسلمانوں نے حسب روایت قیام امن کے سلسلے میں ہر ممکن کوشش کی، ان مقدس مقامات میں انہیں جانے کی مکمل آزادی حاصل تھی، وہ بلا روک ٹوک عبادت کرتے تھے۔ بیسویں صدی کے آغاز تک یہودیوں کی آبادی بہت مختصر تھی مجموعی آبادی کے اعتبار سے ان کی آبادی کا تناسب ۵ رفی صد بھی نہ تھا۔ چنانچہ خلافت عثمانیہ کے آخر دور کے مسلم حکمراں سلطان عبدالحمید کے سامنے یہودیوں نے پیش کش رکھی کہ انہیں فلسطین میں آباد ہونے کی اجازت دی جائے اس کے عوض وہ خلافت عثمانیہ کا تمام قرض ادا کر دیں گے۔ سلطان نے یہ پیش کش ٹھکرا دی اور ارض فلسطین کا ایک انچ بھی یہودیوں کو آباد ہونے کے لیے دینے پر وہ رضامند نہ ہوئے صاف اور صریح لفظوں میں انہوں نے انکار کر دیا۔

ظلم و ستم کی اس دل خراش داستان کا پیش لفظ اس وقت تحریر ہوتا ہے جب پہلی جنگ عظیم کے درمیان عیسائیوں نے بیت المقدس اور فلسطین پر

قبضہ کرلیا اور وہاں یہودیوں کو آباد ہونے کا پروانہ دے دیا ۱۹۱۷ء میں جہاں یہودیوں کی آبادی ۲ ہزار تھی صرف ۱۵ رسال کی قلیل مدت میں اس تعداد میں آٹھ گنا اضافہ ہوگیا۔ اور ۱۹۳۹ء آتے آتے یہ آبادی ہزار سے لاکھ میں تبدیل ہوگئی۔ دوسری جنگ عظیم کے زمانے میں ہٹلر کے مظالم سے تنگ آکر جرمن سے راہ فرار اختیار کرنے والے یہودیوں نے اپنے لیے جائے قرار منتخب کیا پھر اس طرح فلسطین میں یہودیوں کی ایک بڑی تعداد آباد ہوگئی اس طرح ۱۹۴۸ء میں باقاعدہ اسرائیلی ریاست کا اعلان کردیا گیا یہی اسرائیلی دہشت گردی کا نقطۂ آغاز ہے۔ اس وقت سے لے کر آج تک فلسطین کے اصل باشندوں پر ظلم وستم کی ہر آزمائش روا رکھی گئی ہے، جور وجفا کی وہ گرم بازاری ہے کہ انسانیت اور آدمیت شرم کے مارے پانی پانی ہے۔

فلسطین کے اصل باشندوں کو خانماں برباد کیا گیا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ دوسرے ملکوں میں خانہ بدوش جیسی زندگی گذارنے پر مجبور ہیں۔

عرب اسرائیل کے درمیان پہلی جنگ کے نتیجے میں اسرائیل فلسطین کے اٹھتر فی صد حصے پہ قبضہ جما چکا تھا لیکن دوسری جنگ کے بعد باقی حصے پہ بھی قابض ودخیل ہوکر مشرق وسطی میں بربریت، دہشت گردی کی تمام حدیں پار کردیں۔ بین الاقوامی قوانین کی روشنی میں اسرائیل کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ مقبوضہ علاقوں میں تعمیراتی کام کراسکے لیکن تمام قوانین پس پشت ڈل کر وہ مسلسل ان علاقوں میں یہودیوں کے لیے رہائش گاہیں تعمیر کررہا ہے۔ اس کھلی جارحیت کے لیے اسرائیل کو امریکہ کی مکمل پشت پناہی حاصل ہے۔ ہر موڑ اور ہر قدم پر سرائیل کی حمایت گویا امریکہ کے دستور اساسی میں ہے۔ مالی امداد سے لے کر عسکری تعاون تک ہر طرح سے اُس کی پشت پناہی اور حوصلہ افزئی ہورہی ہے۔

یہی وہ بنیادی سبب ہے کہ آج اسرائیل عالمی برادری سے بے خوف ہوکر ظلم وناانصافی اور جارحیت کے میدان میں سرپٹ دوڑ رہا ہے اور دنیا کی کوئی طاقت اس جارحانہ عمل کے خلاف اسے سرزنش کرتا نظر نہیں آتا۔ اسرائیل کو تحفظ فراہم کرنے میں امریکہ کا کردار ابہت عیاں اور ناقابل بیاں ہے۔ سلامتی کونسل میں اسرائیل کے خلاف پاس ہونے والی قرارداد کو ہمیشہ ویٹو پاور کے ذریعے کالعدم قرار دیتا رہا۔ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی اور یونیسکو میں فلسطین کی رکنیت کی وہ ہمیشہ مخالفت کرتا رہا۔

۱۹۹۵ء میں یروشلم ایمبسی ایکٹ بنایا گیا جس کی روشنی میں بیت المقدس (یروشلم) کو دارُالحکومت تسلیم کیے جانے کی تمام راہیں قانونی طور پر ہموار کردی گئی تھیں۔ بل کلنٹن اور ان کے بعد ہونے والے صدور اس کے عملی نفاذ کو ٹالتے رہے۔ لیکن ڈونالڈ ٹرمپ نے انتخابی منشور میں کئے گئے وعدے پر عمل کرتے ہوئے اسے نافذ العمل قرار دے دیا۔ اس طرح امریکہ جارحیت پسندوں اور دہشت گردوں کی حمایت کرنے والوں کی فہرست کا پہلا نام قرار پا گیا اس غیر منصفانہ فیصلے نے مشرق وسطی میں قیام امن کی راہ میں مشکلات سے ناممکنات تک کے دروازے کھول دیئے ہیں۔ آج پوری دنیا میں امریکی صدر کے اس جارحانہ متعصبانہ اور غیر منصفانہ فیصلے کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی جارہی ہے۔ اقوام متحدہ میں بھی اس فیصلے کی حمایت میں بہت کم ووٹ ڈالے گئے ایسے موڑ پر ہم پوری دنیا کے امن پسند منصف مزاج حکمرانوں سربراہوں اور عوام الناس بالخصوص ہندوستان کی موجودہ حکومت کے شکر گذار ہیں کہ انہوں نے ظلم وستم کی اس جنگ میں حق پسندی اور منصف مزاجی کا ثبوت پیش کرکے انسانیت وآدمیت کی لاج رکھ لی۔ ہم فلسطین کے زخم خوردہ، مظلوم اور بے بس مسلمانوں کے لیے کچھ کر تو نہیں سکتے البتہ ہم بارگاہ خدوندی میں دست بدعا ہیں کہ وہ مظلوم فلسطینیوں کا خون رائیگاں نہ جانے دے۔ اے ارض فلسطین کے غیور بہادر اور نفع ضرر سے اوپر اُٹھ کر سوچنے والے مسلمانو! تمہاری ہمت اور عزم کو ہمارا اسلام کہ تم نے ظلم وستم کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے میں روایتی اولوالعزمی کا ثبوت فراہم کرکے عیش پسند اور عیاش طبیعت کے حامل مسلمانوں کو آئینہ دکھانے کی کوشش کی ہے۔

زباں پہ مہر لگی ہے تو کیا، کہ رکھ دی ہے
ہر ایک حلقۂ زنجیر میں زباں ہم نے

□□□
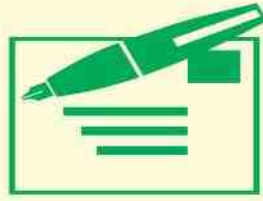
قارئین کے تاثرات

نوٹ: مضامین کی کثرت کے سبب تاثرات روک لیے گئے ہیں، جن حضرات نے اپنے گراں قدر تاثرات ہمیں ارسال کیے ہیں وہ خفا نہ ہوں، ان شاء اللہ اگلے شماروں میں شائع کر دیے جائیں گے۔

سراواں کا رد بلیغ حق وصحیح

مولانا محمد عیسیٰ رضوی قادری
گرسہائے گنج (یوپی)

مکرمی گرامی مرتبت آبروئے صحافت عالیجناب ڈاکٹر امجد رضا صاحب امجد! سلام ونیاز

آپ کا ارسال کردہ رسالہ ''دوماہی الرضا'' موصول ہوا یکے بعد دیگرے میں نے اس کے مضامین دیکھے جو ایک سے بڑھ کر ایک معلوم ہوئے اور کسی حد تک اس کو اسم بامسمیٰ پایا۔ رضا اور رضویت سے متعلق اس میں جو مضامین ہیں وہ بہت خوب اور اپنے عنوان کے مطابق جامع ہیں۔ خدا کرے کہ اس کی عمر طویل تر ہو، ورنہ اہلسنت وجماعت کے رسائل وجرائد کا حال آپ کو معلوم ہے کہ وہ کچھ دنوں تک سرگرم عمل رہنے کے بعد متعدد وجوہ کی بنا پر دم توڑنے لگتے اور اپنا سفر سمیٹنے کے درپے ہو جاتے ہیں لیکن مجھے امید ہے کہ آپ جیسے تیشہ بکف مدیر کی سرپرستی جسے حاصل ہے وہ مدتوں جاری رہے گا اور اپنی شروعاتی آب وتاب کے ساتھ باقی رہے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

آپ کا اداریہ ''اہلسنت کی پشت میں خنجر'' دیکھ کر میں حیرت واستعجاب میں ڈوب گیا کہ خانقاہ سراواں الہ آباد سے اذان ثانی اور مسئلہ اقامت پر جو کچھ لکھا گیا ہے وہ ایک نامستحسن اقدام اور جرأت بے جا ہے۔ آپ کے منقولہ اقتباسات سے اندازہ ہوا کہ اس میں دروغ گوئی، لاف زنی، آزادخیالی، علماء کی گستاخی اور اہلسنت کی پشت پر خنجر زنی کے سوا کچھ نہیں ہے، بڑی چابکدستی سے اقوال ائمہ اور تعامل مسلمین سے انحراف کیا گیا ہے۔ معلوم نہیں اس مسئلہ کو چھیڑنے سے انکا مقصود اور نشانہ کیا ہے، جب کہ ان کے بیان کا جو تیور ہے اس سے فروغ وہابیت ہوا، اور دیابنہ کے عمل کو تقویت ملتی ہے۔

آپ نے جس انداز میں شواہد ونظائر سے سراواں والوں کا رد بلیغ فرمایا ہے وہ بیشک حق وصحیح اور عین مسلک اعلیٰ حضرت ہے بلکہ آپ کی تحریر کے لفظ لفظ سے مسلک اعلیٰ حضرت کی تشریح وتائید ہوتی اور تاجداران بریلی کے فکر ونظر کی تشہیر وترویج ہوتی ہے۔ خانقاہیں ہندوستان میں بہت اور کثرت سے ہیں مگر سراواں ایک نیا نام ہونے کے باوجود اس نے جس برق بازی سے اہلسنت وجماعت کے بعض معمولات ومراسم کو تختۂ مشق بنایا، وہ سوہان روح اور اذیت ناک ہے۔ سوچنے کی ضرورت ہے کہ آج حالات کے تقاضے کیا ہیں کیا کرنا چاہئے اور ہم کیا کر رہے ہیں۔ آپس میں دست وگریباں ہو رہے ہیں جب کہ بنام سنیت تمام خانقاہوں کو متحد ہونا چاہیے۔ اس کے بجائے اگر کوئی، سنیت کے لبادے میں سنیت کو کھوکھلا کرے، اسے سنی کیسے کہا جائے؟ اگر اسے سنی جانا جائے تو صلح کلی کون ہوگا؟ اللہ تعالیٰ اہل سراواں کو ہدایت اور عقل سلیم عطا فرمائے۔

□□□

آپ کے مجذوبانہ طور نے ہمالہ سر کرلیا

مولانا محمد ادریس رضوی ایم اے
سنی جامع مسجد پتری پل کلیان، مہاراشٹر موبائل
9869781566

گرامی قدر ڈاکٹر امجد رضا امجد صاحب
سلام مسنون

آپ کی ادارت میں شائع ہونے والا دوماہی ''الرضا انٹر نیشنل، سہ ماہی ''رضا بک ریویو'' کا 816 صفحات پر مشتمل ضخیم نمبر اور الرضا انٹرنیشنل کے اداریوں کا مجموعہ ''تنقید برمحل'' ملا۔ شکریہ۔ آپ کے مجذوبانہ انداز اور قلندرانہ طور نے ہمالہ

کی سر کردیئے ہیں۔ آپ کی جرات و ہمت کو سلام! تاریخ کے صفحات میں آپ کا اسم گرامی ''مرد مجاہد'' کے طور پر درج ہوگیا، آنے والی نسل آپ کو یاد کرے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

حجۃ الاسلام نمبر صوری اور معنوی طور پر عمدہ ہی نہیں بلکہ بہت عمدہ ہے۔ ضروری کام سے فارغ ہونے کے بعد بغور مطالعہ کے بعد تبصرہ لکھنے کی سعی کروں گا۔ آپ کا یہ تاریخی کام اتنا اعلیٰ ہے کہ آپ انعام واکرام کے مستحق ہیں لیکن ہمارے یہاں ہر کام کے لئے اور ہر کام کرنے والوں کے لئے پیسے ہیں لیکن تاریخی کارنامے انجام دینے والوں کے لئے جیب خالی، دل خالی، حال تنگ ہے۔ ہماری قوم کو بیدار ہونے میں ابھی وقت لگے گا۔ لیکن کام کرنے والے کر رہے ہیں. آپ بھی کرتے رہیں اور قوم کو بیدار کرتے رہیں۔

جہاں تک الرضا انٹرنیشنل کی بات تو سچی بات یہ کہ مجھے اس کے مطالعہ کا جتنا شوق ہے اتنی محرومی رہ جاتی ہے۔ الرضا کے اداریوں کا مجموعہ ''تنقید برمحل'' بھی ملاحظہ میں آیا تو اس نے تمام شماروں کے حصول کے بے تاب کردیا۔ ان اداریوں کو دیکھ کر کہنا پڑتا ہے کہ آپ نے مسلک اہل سنت وجماعت میں سینہ مارنے والوں کے خلاف مورچہ کھول رکھا ہے اور یہ کام بہت ضروری تھا۔

پیش نظر شمارہ جس مین خانقاہ سراواں کی احمقانہ حرکت پہ آپ نے ''اہل سنت کی پشت میں خنجر'' کے عنوان سے جو اداریہ لکھا ہے وہ خوشی وغم دونوں کا مجموعہ ہے۔ غم اس لئے کہ سنی کہی جانے والی خانقاہ نے سنیت کی پہنچان پہ حملہ کرتے ہوئے اذان واقامت کے معروف اور سنت طریقہ کے خلاف پر کتاب لکھی اور خوشی یہ کہ آپ نے تاریخی احوالوں سے اس کا ردبلیغ فرمادیا یہ اداریہ یقینا خانقاہ سراواں کے پیدا کردہ فتنہ کے سدباب اور اس کے زور کو توڑنے کے لئے اہم کردار ادا کرے گا۔ کسی کتاب میں اس اداریہ کو کتابی شکل میں شائع ہونے کا اعلان دیکھا اس سے بڑی خوشی ہوئی۔

امام احمد رضا انسائیکلو پیڈیا کے لئے آپ کے دئے عنوان ''امام احمد رضا کے اثرات'' کا کام بھی مکمل ہونے کو ہے۔ آپ نے اس کام کے لئے اتنا اصرار کیا کہ میں نے سب کاموں پہ اسے ترجیح دی اور الحمد للہ یہ کام تقریبا ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کے حوصلوں کو سلامت رکھے اور الرضا ورضا بک ریویو کے ذریعہ آپ دین کی خدمت کرتے رہیں۔ آمین

□□□

مجرموں کو دن میں تارے دکھا دیئے

مفتی جمیل احمد رضوی
بانی جامع رضا پٹنہ

جناب ایڈیٹر صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الرضا کا نیا شمارہ ہاتھوں میں آیا کچھ مضامین اور پھر آپ کا اداریہ پڑھا دل سے دعائیں نکلتی ہیں۔ مولیٰ تعالیٰ آپ کو اور آپ کے قلم کو زمانے کے سرد وگرم سے بچائے۔

مجھے وہ دن یاد ہے جب اسلام کو تلوار کی ضرورت تھی، تو رب تعالیٰ نے حضرت خالد ابن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پیدا فرمایا اور جب قلم کی ضرورت پیش آئی تو امام احمد رضا اس دھرتی پر اتارے گئے۔ قلم اور تلوار دونوں نے مل کر اسلام کی خدمت کی ہے۔

قابل تحسین ہیں وہ لوگ جن کے ہاتھوں کا قلم اسلام اور اہل اسلام کے دفاع میں چلتا ہے۔ ورنہ دنیا جانتی ہے کہ اس قلم نے کیا کیا گل کھلائے ہیں۔ بارگاہ ربوبیت کی عظمت وتقدیس کا پردہ ہو یا انبیاء کی عظمت وحرمت کا شفاف دامن قلم نے ہر جگہ دھبہ لگایا ہے۔ بلکہ دھبہ لگانے والے مجرموں کی گرفت کرنے والے صاحبان قلم کے خلاف شورش کرنے والوں نے بھی قلم ہی استعمال کیا ہے۔

میں اپنے قلم سے کسی صاحب قلم کا دل دکھانا نہیں چاہتا لیکن اس حقیقت کے اظہار سے خود کو روک نہیں سکتا کہ آج قلم کی اس گرم بازاری میں کچھ قلموں کی بے راہ رویاں، قلم کا اعتماد مجروح کرچکی ہیں۔ خانقاہ سراواں کا قلمی حملہ ہو یا جام نور دہلی کی بے ادب قلمی تحریک کا اسلاف بیزار زہر۔ اہل سنت کے شجر کو سب نے کلہاڑی ماری ہے۔

ڈاکٹر امجد رضا امجد کے قلم کو رحمت الٰہی اپنے سائے میں رکھے جنھوں نے جماعتی انتشار کے مجرموں کو دن میں تارے دکھا دیئے ہیں۔ جمعہ کی اذان ثانی کا مسئلہ کوئی ڈیڑھ صدی پہلے اٹھا تھا علمائے محققین خصوصا مجدد اعظم امام احمد رضا، حجۃ الاسلام مفتی حامد رضا اور مفتی اعظم حضور مصطفےٰ رضا نے اپنی تحقیقات انیقہ سے اسے ایسا ظاہر وباہر فرمایا دیا کہ سب خاموش ہوگئے قولاً عملاً سب نے قبول کرلیا۔

سوا چند جگہوں کے تقریباً تمام ہندوستان کی سنی مساجد کا معمول امام احمد رضا کے فتوے کے موافق ہو گیا تھا۔

لیکن برا ہو اس فتنہ پرور ذہن کا جو آئے دن نت نئے فتنے جگا کر اہلسنت کا عملی وفکری سکون غارت کرتا رہتا ہے۔ اور اپنی بے اعتدالیوں کو اعتدال کا نام دیکر خود کو معتدل ثابت کرنے کی ناکام کوشش کرتا ہے۔ خانقاہ سراواں کی اس مجرمانہ حرکت کا محاسبہ ڈاکٹر امجد رضا امجد نے جس عمدہ اور فنی مہارت سے کیا ہے۔ یہ انہیں کا حصہ تھا۔ مختلف دلائل اور فن کی مستند کتابوں سے مسئلے کو واضح کرتے ہوئے خانقاہ سراواں کے چہرے کا نقاب اس انداز میں تار تار کیا ہے کہ اب اسے دن کے اجالے ہی میں نہیں بلکہ رات کی تاریکی میں بھی پہچانا جا سکتا ہے۔ خانقاہیت اور پیری مریدی کی آڑ میں وہابی فکر وعمل کو فروغ دینے والا سراواں اہلسنت کا اپنا نہیں۔ بلکہ آستین میں پلنے والا خطرناک سانپ ہے۔

الرضا صرف حق کی آواز نہیں بلکہ ایک قلمی شعلہ ہے جس نے غلط فکر ونظر کے پتلوں کو خاک کا ڈھیر بنا دیا۔ کل تک قلم پر اپنی تنہا اجارہ داری سمجھنے والے، اپنی نئی سوچ اور جدید فکر کی وادیوں میں دندناتے پھرتے تھے۔ لیکن آج انہیں بھی ڈر سا لگنے لگا ہے کہ کہیں الرضا کا لپکتا ہوا شعلہ ان کا چہرہ بھی نہ جھلسا دے۔

اِسے میں نام الرضا کی برکت کہوں یا بارگاہ رضا کی قبولیت کہ الرضا اپنی ننھی سی عمر مین کڑیل جوانوں کا کام کر رہا ہے۔ شہرت وقبول کے بڑھتے ہوئے سائے علمی حلقوں سے گزر کر عوام کے دلوں تک پہنچنے لگے ہیں۔ موجودہ دَور کی اکابر شخصیات کی دعائیں اور نگہ التفات کی نوازشیں اس کی رگوں میں خون اور جذبوں میں جنون بھر رہی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آنے والا ہر شمارہ پہلے شمارے سے زیادہ خوشنما اور دلپذیر ہو رہا ہے۔

مولیٰ تعالیٰ ڈاکٹر امجد رضا امجد صاحب اور ان کی پوری ٹیم کو عز ووقار بخشے اور خدمت دین متین کے صلہ میں ان کی تمام جائز خواہشات کی تکمیل فرمائے۔ آمین میرا وجدان کہتا ہے کہ:

الرضا پودا ہے تو کل گلستاں ہو جائے گا
دیکھنا اک دن زمین سے آسماں ہو جائے گا
اختر برج ولایت کا ہے جب ظل کرم
اتنا چمکے گا کہ اک دن کہکشاں ہو جائے گا

□□□

رسالہ اور اداریہ دونوں لاجواب

■ مولانا ماہ زماں رضوی

مدرس جامعہ حضرت بلال بنگلور

محترم ڈاکٹر امجد رضا امجد

ایڈیٹر صاحب الرضا انٹرنیشنل السلام علیکم ورحمہ

خدا کرے آپ جملہ احباب مجلس الرضا اچھے ہوں۔ آپ کا رسالہ الرضا نیٹ پہ کہیں ماہ بلکہ ۲۰۱۶ سے پڑھ رہا ہوں مگر اس کی ہارڈ کاپی اس وقت زیب نگاہ بنی جب آپ جامعہ حضرت بلال بنگلور تشریف لائے۔ دیکھ کر طبیعت باغ باغ ہوئی مگر فوراً میں مرجھا بھی گیا کہ اس میں سراواں الہ آباد کی متنازع خانقاہ کا تذکرہ تھا اور آپ نے مکمل اداریہ اس موضوع پہ لکھا تھا۔ اداریہ کا مطالعہ کیا تو انکشاف ہوا کہ اب سراواں والے نقاب الٹ کر باہر آ گئے ہیں۔ اپنے علاقہ بہار وبنگال کے سنگم پورنیہ کشن گنج اتر دیناج پور وغیرہ علاقہ میں اس سرواں کے بارے میں جو کچھ میں نے سنا تھا اس اداریہ سے اس کی تصدیق ہوگئی۔ آپ نے صحیح لکھا کہ سنیت کا دعویٰ کرنے والی یہ واحد خانقاہ ہے جس نے اقامت کے موضوع پہ باضابطہ کتاب لکھ کر دیابنہ ووہابیہ کی پیروی کی اور اہل سنت کی پشت میں خنجر مارا۔

آپ نے اپنے اداریہ میں سراواں کی جو فریمنگ کی ہے اس سے سراواں کی حقیقت سامنے آ گئی ہے۔ اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔ آپ کا رسالہ اور اداریہ دونوں مسلک کی خدمت میں اپنی مثال آپ ہے۔ الرضا نے اشاعت مسلک اور تحفظ مسلک میں یقیناً تاریخی کام انجام دیا ہے جسے کوئی اہل دل اور مخلص انسان فراموش نہیں کر سکتا۔

رسالہ کے دیگر مشمولات لائق مطالعہ اور مضمون نگار قابل مبارک باد ہیں الرضا کو ایسی ٹیم مل گئی کہ ہے کہ وہ اپنے مشن میں کامیابی بر سر عمل ہے۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ اس رسالہ کو عمر طویل اور اس کے وابستگان اور معاونین کو عمر خضر عطا فرمائے۔

بنگلور کے لئے جامعہ حضرت بلال کے پتہ پر رسالے بھیجیں انشاء اللہ یہاں اس قاری کا ایک بڑا حلقہ آپ کے انتظار میں ہے، یہاں کا ماحول الرضا کا طالب ہے آپ رسالہ ضرور بھیجیں۔

□□□

تمام سلاسل کے بزرگوں کے نظریات کا تحفظ

حافظ شمس الحق رضوی
مجلس فکر رضا لدھیانہ

مدیر صف شکن جناب ڈاکٹر امجد رضا امجدؔ

ہدیہ سلام نیاز

الرضا انٹرنیشنل کا شمارہ نومبر دسمبر، اور الرضا کے اداریوں کا مجموعہ دستیاب ہوا۔ بہت بہت شکریہ

حالیہ شمارہ متنوع مضامین کے ساتھ خانقاہ سراواں کے بارے میں بڑا نقاب کشا ثابت ہوا۔ سراواں سے شائع ہونے والی کتاب کے بارے میں سنا تو اسے نیٹ سے اون لوڈ کر لیا، مگر پڑھنے کی نوبت نہیں آئی۔ کہ موسم سرما میں کاروبار کا سلسلہ ذرا مصروف ترین ہوجاتا ہے اور آپ کا رسالہ ان ہی ایام میں ملا۔ سفر میں جب اسے ملاحظہ کیا تو یہ جان کر حیران رہ گیا کہ ان لوگوں نے نہ صرف یہ کہ اذان واقامت کے مسئلہ میں مخالفین کی راہ اپنائی ہے بلکہ علمائے اہل سنت کو بھی سخت لفظوں میں یاد کیا ہے۔ آپ نے اداریہ میں ان کی بے اعتدالیوں کی جو فہرست دی ہے وہ دیکھ کر کوئی بھی ان پر بھروسہ نہیں کر سکتا۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر سراواں والے چاہتے کیا ہیں۔

بہر حال آپ نے اداریہ میں ان کی حقیقت سامنے رکھ دی ہے اب انہیں پہنچاننے میں کوئی دشواری نہیں ہوگی۔ ہاں اگر یہ لوگ اپنی پرانی روش پہ آجائیں تو کیا کہنا۔ مگر اس کی توقع بہت کم ہے کہ غلطیوں پہ نادم ہونا ان لوگوں نے سیکھا ہی نہیں ہے۔

رسالہ کے دوسرے مضامین بھی عمدہ ہیں۔ ڈاکٹر حسن رضا صاحب کا انٹرویو بھی اچھا لگا یہ جان کر بھی مسرت ہوئی کہ انہوں نے کئی کتابیں لکھی ہیں۔ الرضا کا یہ سلسلہ بھی علمی اور شخصیت شناسی کے اعتبار سے اہمیت کا حامل ہے۔ نئے شمارہ سے نعت کا کالم بڑھا کر آپ نے اچھا کیا۔ اس سے شعرا وادبا بھی اس سے جڑیں گے۔

الرضا کی ترقی کے لئے دعا کے ساتھ ہر خدمت کے لئے حاضر ہوں۔ حضور تاج الشریعہ کی صحت وسلامتی کے لئے ہمیشہ دعا کرواتے رہیں ان کی شخصیت پوری جماعت کے لئے شجر سایہ دار ہے۔ خدائے پاک آپ کے ادارے کو سدا جوان رکھے، آمین

□□□

اتنا کام آپ کیسے کر لیتے ہیں

مفتی مظفر حسین رضوی: قاضی شریعت جمشید پور

مدیر منیر جناب ڈاکٹر امجد رضا امجدؔ   سلام محبت

اللہ آپ کو سلامت رکھے، القلم فاؤنڈیشن کے ذریعہ آپ دین وملت کی جو خدمت انجام دے رہے وہ لائق مبارک باد اور قابل تقلید ہے۔ سہ ماہی رضا بک ریویو کی اشاعت، الرضا انٹرنیشنل کی اشاعت، آٹھ سو صفحات پہ حجۃ الاسلام نمبر کی اشاعت، امام احمد رضا انسائیکلو پیڈیا کے مرتب کرنے کی جدوجہد، اور اس پر ادارہ شرعیہ کے دار القضا کی ذمہ داریاں۔ کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ اتنا کام آپ کیسے کر لیتے ہیں مگر جب امام احمد رضا قدس سرہ کی عنایات کی طرف نظر جاتی ہے تو ایسا لگتا ہے کہ اعلیٰ حضرت اپنے مشن کی خدمت کرنے والے کو بے آسرا نہیں چھوڑتے، آپ نے بھی ان کے مشن کی اشاعت کو اپنا زندگی کا مقصد بنایا ہے پھر بھلا آپ پر ان کی نگہ عنایت کیوں کر نہیں ہوگی۔

گیا میں اعلیٰ حضرت صدی تقریبات کے سلسلہ میں منعقدہ میٹنگ میں آپ نے جو علمی تحائف دئے انہیں پڑھ کر بڑا مسرور ہوا اسی میں آپ کا الرضا انٹرنیشنل بھی تھا۔ کیا غضب نقشہ کھینچا ہے آپ نے خانقاہ سراواں کا۔ جو بات کسی اہل سنت نے نہیں کہی، جو بات کسی اہل سنت کے فتویٰ میں نہیں جو عمل کسی سنی خانقاہ میں نہیں اسے صحیح ثابت کرنے کے لئے کتاب لکھ دینا آسانی سے ہضم ہونے والی چیز نہیں۔ آپ نے جس انداز میں ان کے اندرون خانہ ہونے والی جماعت مخالف ہنگاموں کا نقشہ کھینچا ہے وہ یقینا مبنی بر صداقت ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت دے یا پھر لوگوں کو ان فتنے سے محفوظ رہنے کی توفیق۔

جمشید پور میں کتنے لوگوں نے الرضا پڑھنے کو شوق ظاہر کیا مگر رسالہ پابندی سے ہمارے یہاں پہنچ ہی نہیں پاتا دوسروں کو کیا ممبر بناؤں۔ یا تو آپ نظام ترسیل درست کریں یا پھر جس طرح نیٹ کے ذریعہ ہم اپنی حسرتوں کو پورا کرتے ہیں کرنے دیں۔ ویسے نیٹ پہ پڑھنے میں وہ مزا کہاں جو مطبوعہ کاپی پڑھنے میں ہے ویسے الرضا کا نیٹ ایڈیشن بھی پورے سنی رسائل میں امتیازی شان کا حامل ہے۔ ہو سکے تو ڈاک کا نظام درست کریں اور الرضا کو ہمیشہ جاری رکھیں۔

□□□

فلسطین کے سینہ میں امریکی خنجر

صابر رضا رہبر مصباحی

امریکی صدر ڈونالڈ ٹرمپ نے اپنے انتخابی وعدے کو شرمندۂ تعبیر کرنے کے مقصد سے ۶ ر دسمبر کو بیت المقدس (یروشلم) کو اسرائیل کا دارالحکومت تسلیم کرلیا۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے امریکی سفارتخانہ کو تل ابیب سے بیت المقدس منتقل کرنے کا اعلان کر کے پوری دنیا کو بے چین کر دیا۔ اس اعلان کے بعد امریکہ یروشلم کو اسرائیل کا دارالحکومت تسلیم کرنے والا دنیا کا پہلا ملک بن گیا ہے۔

ٹرمپ کا یہ فیصلہ دراصل یروشلم ایمبیسی ایکٹ ۱۹۹۵ء کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ہے۔ یہ قانون ۸ر نومبر ۱۹۹۵ء کو منظور کیا گیا تھا۔ اس کے تحت امریکی سفارتخانہ کو اسرائیل کے دارالحکومت یروشلم منتقل ضرور ہونا چاہیے۔ ایکٹ میں کہا گیا ہے کہ یروشلم ۱۹۵۰ء سے اسرائیلی ریاست کا دارالحکومت ہے اور اس شہر میں اسرائیلی صدر، پارلیمنٹ اور سپریم کورٹ کے علاوہ کئی وزارتوں کے دفاتر بھی ہیں۔ اس ایکٹ کی ایک شق میں امریکی صدر کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ سکیورٹی وجوہات کے پیش نظر اس فیصلے کو چھ ماہ کے لیے مؤخر کر سکتے ہیں۔ اس لیے اس فیصلے پر ہر چھ ماہ بعد نظر ثانی کرنا لازمی ہے۔ اسی شق پر عمل کرتے ہوئے بل کلنٹن سے لے کر چھ ماہ قبل تک صدر ڈونالڈ ٹرمپ اس فیصلے کو مؤخر کرتے چلے آئے تھے۔ واضح ہو کہ ۱۹۸۰ء کی دہائی اور ۱۹۹۰ء کے اوائل میں یروشلم کو اسرائیل کا دارالحکومت تسلیم کرنا اور امریکی سفارتخانہ کو وہاں منتقل کرنے کا معاملہ صدارتی انتخابات کا موضوع بحث ہوتا تھا۔ صدارتی مہم کے دوران اس کا وعدہ بھی کیا جاتا تھا۔ سابق صدر بل کلنٹن نے فروری ۱۹۹۲ء میں کہا تھا کہ وہ یروشلم کو اسرائیل کا دارالحکومت تسلیم کرنے کے حق میں ہیں مگر بل کلنٹن کے صدر بننے کے بعد جب یہودی لابی نے دباؤ ڈالا تو وہائٹ ہاؤس کو اندازہ ہوا کہ اس اعلان کو عملی جامہ پہنانا کتنی ٹیڑھی کھیر ہے۔

خیال رہے کہ ۱۹۴۸ء سے ۱۹۶۷ء تک یروشلم ایک منقسم شہر تھا اور تمام مذاہب سے تعلق رکھنے والے اسرائیلی شہریوں اور سبھی ملکوں کے یہودی شہریوں کو اردن کے زیر کنٹرول علاقے میں جانے کی اجازت نہیں تھی۔

ٹرمپ نے بھی اپنی مہم کے دوران یروشلم کو اسرائیل کی راجدھانی تسلیم کرتے ہوئے امریکی سفارت خانہ تل ابیب سے منتقل کرنے کی بات کہی تھی جس پر عالمی برادری میں اضطراب لازمی تھا۔ ٹرمپ نے ایمبسی ایکٹ ۱۹۹۵ء پر عمل کرتے ہوئے ۲۱ر نومبر ۱۹۴۷ء کے اقوام متحدہ کی اس قرارداد کو پس پشت ڈال دیا جس میں یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ یروشلم کسی ایک ریاست کا حصہ نہیں ہے۔ اسی طرح امریکی صدر کا یہ فیصلہ ۱۹۴۹ء میں پڑوسی ممالک کے ساتھ اسرائیل کے معاہدہ جنگ بندی کی خلاف ورزی بھی ہے۔ ۱۹۴۹ء میں یہ معاہدہ اسرائیل اور اس کے ہمسایہ ممالک مصر، لبنان، اردن اور شام کے دورمیان ۱۹۴۸ء جنگ بندی کے سبب طے پایا تھا۔ اسرائیل نے خود اقوام متحدہ اور پڑوسی ممالک کے ساتھ ہوئے معاہدے کی دھجیاں اڑاتے ہوئے ۱۹۸۰ء میں ہی یروشلم کو اپنا دارالحکومت قرار دے دیا تھا اور اس کے بعد اب تک وہ اپنے موقف کی حمایت میں عالمی رائے عامہ ہموار کرنے کے لیے کوشاں ہے۔ امریکی صدر کے اعلان کے بعد جیسے اسرائیل کی دلی مراد پوری ہوگئی، کیونکہ ٹرمپ نے اس فیصلہ کی مخالفت کرنے والے ملکوں کو مالی امداد بند کر دینے کی دھمکی بھی دے دی ہے۔ ٹرمپ نے یروشلم کو اسرائیل کی راجدھانی تسلیم کرتے ہوئے کہا کہ یہ اقدام امریکہ

کے بہترین مفاد اور اسرائیل اور فلسطین کے درمیان قیام امن کے لیے ضروری تھا، یہ ایک اتحادی کو تسلیم کرنے کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ میں امریکی سفارت خانہ کو یروشلم منتقل کرنے کے احکامات دیتا ہوں۔ٹرمپ کا کہنا تھا کہ یروشلم کو اسرائیل کا دارالحکومت تسلیم کرنے کا فیصلہ بہت پہلے ہوجانا چاہیے تھا۔انہوں نے یہ بھی کہا کہ امریکہ دو ریاستی حل کا حامی ہے، اگر دونوں فریق اس بات پر راضی ہوجائیں۔ ہماری سب سے بڑی امید امن ہی ہے۔ہم خطے میں امن اور سلامتی چاہتے ہیں۔ہم پر اعتماد ہیں کہ ہم اختلافات کے خاتمے کے بعد امن قائم کریں گے۔

ٹرمپ کے اس اعلان کے بعد اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں ۱۹ر دسمبر کو ووٹنگ ہوئی جس میں امریکہ نے اپنے اور صہیونی ریاست کے خلاف فیصلے کو ویٹو کردیا لیکن چار مستقل اور دس غیر مستقل اراکین کے مثبت اقدام نے دنیا کو باور کرادیا کہ لوگ امریکی صدر کے فیصلے کے خلاف ہیں۔واضح رہے کہ امریکہ کے علاوہ برطانیہ، چین، روس اور فرانس کے پاس سلامتی کونسل کی کسی بھی قرار داد کو ویٹو کرنے کا اختیار حاصل ہے جبکہ قرارداد کو پیش کرنے کے لیے ۹ر اراکین کی رضامندی لازم ہوتی ہے۔

۲۱ر دسمبر ۲۰۱۷ء کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں تاریخی قرارداد منظور کرتے ہوئے امریکہ سے کہا گیا کہ وہ مقبوضہ بیت المقدس یا مشرقی یروشلم کو اسرائیل کا دارالحکومت تسلیم کرنے کا اپنا اعلان واپس لے۔امریکی دھمکیوں کی پروا نہ کرتے ہوئے ٹرمپ کے فیصلہ کی حمایت صرف ۹ر ممالک نے کی جبکہ اس کی مخالفت میں ۱۲۸ر ممالک سامنے آئے، حالانکہ ۳۵ر ملکوں نے ووٹنگ میں حصہ نہیں لیا۔

اقوام متحدہ میں ووٹنگ کے بعد ٹرمپ نے دھمکی دیتے ہوئے کہا کہ امریکی فیصلے کی مخالفت کرنے والے ہم سے لاکھوں ڈالر اور یہاں تک کہ اربوں ڈالر لیتے ہیں اور اس کے بعد بھی ہمارے خلاف ووٹ دیتے ہیں۔ہم یہ رائے شماری دیکھ رہے ہیں، انہیں ہمارے خلاف ووٹ دینے دیں، ہم بچت کریں گے، ہمیں کوئی پروا نہیں۔ادھر اقوام متحدہ میں امریکی مندوب نکی ہیلی نے اپنے سخت ردعمل کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ امریکہ اس فیصلہ کو ہمیشہ یاد رکھے گا۔ہمیں اقوام متحدہ میں دنیا کا سب بڑا کام کرنے کے لیے بلایا جاتا ہے۔ہم اسے یاد رکھیں گے کہ چند ملکوں نے اپنے فائدے کے لیے ہمارے اثر کا استعمال کیا ہے۔نکی ہیلی نے اس فیصلہ کو امریکہ کی بے عزتی قرار دیتے ہوئے کہا کہ سفارت خانہ یروشلم تو جائے گا ہی مگر یہ ووٹ فرق پیدا کرتے ہیں کہ امریکیوں نے اقوام متحدہ کو کیسے دیکھا اور ہماری بے عزتی کرنے والے ممالک ہمیں کیسے دیکھتے ہیں۔یہ ووٹ یاد رکھا جائے گا۔

اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل اور جنرل اسمبلی میں امریکی فیصلے کی اکثریت سے مخالفت نے فلسطینی وزیر خارجہ ریاض المالکی کے دعویٰ پر مہر ثبت کردی کہ امریکہ بین الاقوامی سطح پر تنہا ہے۔

ٹرمپ انتظامیہ کے اس اعلان کے بعد ترکی کے استنبول میں تنظیم برائے اسلامی تعاون (او آئی سی) کا ہنگامی اجلاس طلب کیا گیا جس میں القدس (مشرقی یروشلم) کو فلسطینی ریاست کا دارالحکومت تسلیم کرنے کا مطالبہ کیا گیا ہے۔مگر ۵۷ر رکنی اس تنظیم میں عرب ممالک کی شرکت کافی مایوس کن نظر آئی۔عرب ممالک کے اکثر سربراہوں نے شرکت سے گریز کرتے ہوئے اپنے نمائندوں کو بھیجنے پر اکتفا کیا۔

حالانکہ تنظیم برائے اسلامی تعاون کے قیام کا مقصد ہی القدس کی حفاظت ہے۔اسلامی ممالک کی یہ تنظیم ۱۹۶۹ء میں مراکش کے شہر رباط میں اس وقت قائم کی گئی تھی جب القدس میں مسجد الاقصیٰ پر کسی شدت پسند غیر مسلم کے حملے کی وجہ سے عالم اسلام میں غیض و غضب پیدا ہوا تھا۔بعد میں اس کا نام تنظیم برائے اسلامی تعاون رکھ دیا گیا۔اس اعتبار سے یہ مسلم ممالک کی پہلی تنظیم تھی جو قبلہ اوّل کی بے حرمتی پر ان کے شدید ردعمل کے طور پر قائم ہوئی تھی۔اس سے قبل عرب لیگ کا قیام عمل میں آیا تھا لیکن وہ صرف عرب ممالک پر مشتمل تھی۔اسلامی ممالک کی اس تنظیم میں القدس، مقبوضہ فلسطین کی آزادی اور فلسطینی ریاست کا قیام اس کے سب سے بڑے مقاصد میں سے ہیں۔

ٹرمپ کے اعلان کے بعد جب عرب و مسلم ممالک اور دیگر امن پسند ملکوں کے سربراہان امریکی پالیسی کو شدید تنقید کا نشانہ بنا رہے تھے اور اسے امن عالم کے لیے نقصان دہ قرار دے

رہے تھے، اسی دوران سعودی عرب کے فرمانروا شاہ سلمان بن عبدالعزیز امریکہ کی سنٹرل انٹیلی جنس ایجنسی (سی آئی اے) کے ڈائریکٹر مائیک پومپیو سے محوگفتگو تھے۔ میڈیا رپورٹ کے مطابق اس ملاقات میں دونوں ملکوں کے درمیان دوطرفہ تعلقات اور خطے میں رونما ہونے والی تازہ پیش رفت کے حوالے سے تبادلہ خیال کیا گیا۔ ملاقات کے دوران امریکہ میں سعودی عرب کے سفیر شہزادہ خالد بن سلمان، وزیر خارجہ عادل الجبیر، سعودی وزیر مملکت اور شاہی دیوان کے سربراہ خالد بن عبدالرحمان العیسیٰ اور سعودی انٹیلی جنس ایجنسی کے سربراہ خالد بن علی الحمیدان بھی موجود تھے۔

یروشلم تنازع سے متعلق قرارداد پر سلامتی کونسل میں ووٹنگ سے عین قبل سی آئی اے کے ڈائریکٹر کی شاہ سلمان سے ملاقات اور ترکی کے ذریعہ او آئی سی کی ہنگامی میٹنگ میں سعودی سربراہ کی عدم شرکت سے واضح ہو جاتا ہے کہ سعودی عرب القدس اور فلسطین کے تعلق سے کتنا سنجیدہ ہے۔ الیمامہ محل میں سی آئی اے کے سربراہ مائیک پومپیو اور سعودی عرب کے فرمانروا شاہ سلمان بن عبدالعزیز کی ملاقات کے بعد اسرائیلی وزیر خارجہ کا وہ بیان سامنے آ گیا کہ عرب ممالک سے تعلقات میں فلسطین کوئی مسئلہ نہیں ہے اور پھر امریکی صدر کے فیصلہ کے بعد قائم کشیدگی اور عالمی احتجاج و مظاہرہ کے دوران اسرائیل کے وزیر انٹیلی جینس کے یسرائیل کاٹز نے سعودی عرب کے ولی عہد محمد بن سلمان کو اسرائیل کے دورے کی دعوت (حالاں کہ اب تک سعودی عرب اور اسرائیل کے مابین باقاعدہ سفارتی تعلقات نہیں ہیں۔)

شکستہ کڑیوں کو جوڑنے کے بعد جو تصویر بنے گی وہ سعودی عرب بشمول عرب ممالک کے سربراہوں کی القدس اور مسئلہ فلسطین کے تعلق سے عدم دلچسپی کا مظہر ہوگی۔

امریکہ کے ذریعہ یروشلم کو اسرائیل کی دارالحکومت قرار دینے کے بعد پوری دنیا میں جو بے چینی محسوس کی گئی اور جس کثرت رائے سے اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل اور جنرل اسمبلی میں امریکی قرارداد کو مسترد کیا گیا ہے، وہ قضیہ فلسطین سے دلچسپی رکھنے والے طالب علموں کے لیے حیرت کا باعث ہے کیونکہ امریکی فیصلے کی مخالفت کرنے والوں میں وہ ممالک بھی شامل ہیں جو اسرائیل کے قریب ترین حلیف بلکہ اس کی بنیاد میں اہم کردار ادا کیا ہے اور جن کا مقصد مضبوط اسرائیل کا قیام ہے۔ اس کے باوجود یروشلم کو اسرائیل کی راجدھانی تسلیم کرنے سے انہیں کیوں گریز ہے، یہ ایک اہم سوال ہے۔ او آئی سی کے ہنگامی اجلاس کی سربراہی کرنے والے ترکی کے صدر طیب اردگان اور امریکہ کے خلاف سلامتی کونسل میں قرارداد تیار کرنے میں کلیدی رول ادا کرنے والے ملک مصر کا شمار اسرائیل کے قریب ترین ملکوں میں ہوتا ہے جبکہ اسرائیل سے روس اور فرانس کی ہمدردی بھی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے پھر بھی اس تعلق سے فوری طور پر کوئی رائے قائم کرنا جلد بازی ہوگی کیونکہ عالمی سطح پر امن کا قیام پوری دنیا کے لیے ترجیحی مسئلہ ہے۔

بہرحال معاملہ کچھ بھی ہو مگر امریکہ کی جانب سے مالی امداد بند کرنے کی دھمکیوں کے باوجود سلامتی کونسل اور جنرل اسمبلی میں امریکی صدر کے فیصلہ کے خلاف کثرت رائے نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ ڈالروں کے عوض ضمیر کا سودا نہیں کیا جا سکتا ہے اور امریکہ اپنے حلیف اسرائیل کی خوشنودی کے لئے عالمی ضمیر کو خریدنے میں پوری طرح ناکام رہا۔

□□□

مدارسِ اسلامیہ......مسائل اور تقاضے!

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری

قرآن وحدیث کے علوم ومعارف کا سمندر، صحابہ وتابعین، سلف صالحین، بزرگانِ دین کی تعلیمات ونظریات کا گہوارہ، اسرارِ ظاہری وباطنی کا عقدہ کشا، سماج ومعاشرہ کے شمع شعور وبصیرت کا۔۔۔اقوام وملل کے فوز وفلاح کا داعی وضامن، اور سب سے بڑھ کر خوشنودئ خدا و رضائے مصطفیٰ (جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وسلم) کی فکر وآگہی کا امین وعلمبردار، اس گئے گزرے دور میں بھی صرف اور صرف مدارسِ اسلامیہ ہیں۔

مسجد نبوی شریف کے مقدس ننھے سے چبوترہ سے علوم وافکار کا جو سوتا پھوٹا تھا پوری دنیا اب تک اس کے آبشار سے سرشار ہو رہی ہے۔ یہ مدارسِ اسلامیہ اسی بحر کے نہر کی بل کھاتی لہریں ہیں۔ اسی وجہ سے ان کی ایک الگ دنیا ہے، الگ فضا ہے، الگ شان ہے، الگ پہچان ہے اور الگ تاثیر وتاثر ہے۔ ہر دور میں مدارسِ اسلامیہ نے معاشرہ کے پژمردہ جسم میں عزم وعمل کی روح پھونکی ہے اور روحانی دنیا کے چراغ کو بجھنے سے بچایا ہے۔ جب بھی انسانی آبادی بے چہرگی کا شکار ہوئی ہے تو مدارسِ اسلامیہ نے تاریخی کارنامہ انجام دیا ہے اور ایسی ایسی نادر الوجود ہستیاں قوم وملّت کے حوالے کی ہیں کہ ان کے دم قدم کی برکتوں سے صحرا میں بھی پھول کھلکھلا اٹھے اور جو ذرے ان کے زیر پا آ گئے رشکِ آفتاب وماہتاب بن گئے۔ وہ چاہے امامِ اعظم ابوحنیفہ ہوں یا شیخ عبد القادر جیلانی، امام شافعی ہوں یا خواجہ غریب نواز۔ وہ چاہے رومی، سعدی، رازی، غزالی ہوں یا دورِ حاضر کے بحر ذخار اعلیٰ حضرت محدث بریلوی، یہ سب مدارسِ اسلامیہ ہی کے آوردہ وپروردہ وفیض وفیضان ہیں۔ تاریخی اعتبار سے کسی دور میں کم اور کسی دور میں زیادہ، مگر ہر دور میں کسی نہ کسی شکل میں مدرسہ کا وجود ملتا ہے۔ سلطان محمد تغلق کے زمانہ میں صرف دلی میں ایک ہزار مدرسے تھے، انگریزوں کے تسلط سے قبل ہندوستان کا چپہ چپہ مدارس کے وجود سے درخشاں تھا۔ سلاطین ہند نہ صرف یہ کہ مدارس کی سرپرستی کرتے تھے بلکہ ان کے لیے جاگیریں اور جائدادیں مختص کر رکھی تھیں۔ علماء کے لیے شاہی خزانہ کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا تھا۔ چونکہ علماء فکر معاش سے آزاد، خوش حال وفارغ البال تھے اس لیے پوری دل جمعی ودلچسپی کے ساتھ دینی خدمات میں لگے رہتے تھے۔ گلشن دین پھولتا پھلتا تھا اور اس کی دلآویز خوشبو پورے معاشرے کو مست وشیدا بناتی رہتی تھی۔ سقوطِ سلطنت مغلیہ کے بعد انگریزوں نے اپنے دورِ تصرف میں سب سے زیادہ نقصان مدارسِ اسلامیہ اور علمائے اسلام کو پہنچایا۔

گاندھی جی نے ۱۹۲۰ء میں بنارس میں اپنے ایک خطاب میں یہ اعتراف کیا کہ: ''برٹش گورنمنٹ کی آمد سے قبل ملک میں تیس ہزار مدرسے تھے، جن میں دو لاکھ طلبہ تعلیم پاتے تھے، آج حکومت دفتری بمشکل تمام چھ ہزار مدرسوں کا حوالہ دے سکتی ہے۔'' (آزادی کی جنگ، ص:۸)

انگریز اس راز کو خوب سمجھ چکا تھا کہ مسلمانوں میں اسلامی ہوش اور ایمانی جوش علماء ہی سے پیدا ہوتے ہیں اور علماء مدارسِ اسلامیہ ہی کی پیداوار ہوتے ہیں، لہٰذا ایک طرف وہ مدارس کی بیخ کنی میں جٹ گئے، تو دوسری طرف علماء کے درپئے آزار ہو گئے۔ اپنی مقصد برآری کے لیے وہ جو کر سکتے تھے، بے دریغ کر دکھایا۔ یہاں تک کہ ۵۱ ہزار علماء شہید کر دیئے گئے، جو باقی بچے انہیں نہتا، بے بس اور کمزور ومجبور کرنے کے لیے مدرسہ، مسجد اور خانقاہ جن پر علماء کا کنٹرول تھا، علماء کے ہاتھ سے لے کر عوام کے سپرد کر دیا۔ عظیم مورخ علامہ مفتی عبد القیوم ہزاروی علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں:

''۲۰۰ سال قبل تک ایسا معاشرہ تھا جس میں تمام تر معاشرتی ذمہ داریاں علماء کے سپرد تھیں، اس کے بعد انگریز کا تشکیل کردہ معاشرہ آیا تو اہلیت کا معیار بھی تبدیل ہو گیا۔ (معارفِ رضا، کراچی، فروری ۵۴ء)

اس اپنی سوچ سے انگریز اسلام کو بے بال وپر کرنا چاہتا تھا، بہت حد تک اس مقصد میں کامیاب بھی ہوا اور آج تک ہو رہا ہے۔ آج گنتی کے چند وہی مدارس، مساجد اور خانقاہیں اپنا مقصد اصلی

متعین کرنے میں کامیاب ہیں جو مخلص، وسیع النظر اور غیور علماء کے نظام وانتظام میں ہیں، ورنہ دیگر مدارس، مساجد اور خانقاہوں کی جو ناگفتہ بہ حالت ہے، بے محابہ تبصرہ کی زد میں ہے۔ کالجوں، یونیورسٹیوں تک مدارس کی زبوں حالی کے تذکرے ہورہے ہیں۔ دانش گاہوں کے اساتذہ بھی جی کھول کر نظامِ عمل کو داد دے رہے ہیں اور نتائج پر خامہ فرسائی کررہے ہیں۔

آج مدارس کی کمی نہیں ہے، ایک سے بڑھ کر ایک ظاہری شان وشوکت سے لیس مدرسے ہیں۔ جن کا اچھا خاصا اسٹاف ہے، فلک شکوہ عمارتیں ہیں، طلبہ کی بھیڑ بھاڑ ہے، مگر

درونِ خانہ ہنگامے ہیں کیا کیا
چراغ رہ گزر کو کیا خبر ہے

انہی بیکل صورتِ حال کے تناظر میں کچھ لوگوں نے مدارس کا خفیہ سروے کیا اور انجان بن کر تقریباً سو طلبہ اور سرپرستوں سے ملاقات کی۔ جب طلبہ سے انہوں نے پوچھا کہ فراغت کے بعد آپ کا کیا ارادہ ہے؟ تو ان میں اکثر کا جواب تھا ہم کوئی دوسرا کام یعنی تجارت وغیرہ کریں گے۔ پوچھا کیوں؟ تو انہوں نے کہا: مسجد ہو یا مدرسہ کہیں سکون نہیں ہے، ایک تو معاشی پریشانی اور دوسرے ذہنی الجھنیں، ہم اپنے اساتذہ وائمہ اور دیگر علماء کو دیکھتے ہیں تو ان کی منتشر زندگی سے ہمیں عبرت ملتی ہے۔ جب سرپرستوں سے سوال کیا گیا کہ آپ اپنے بچوں کو اسلامی مدرسہ میں کیوں نہیں پڑھاتے، عالمِ دین، حافظِ قرآن کیوں نہیں بناتے؟ تو ان میں کے اکثر نے کہا بچوں کو اس لائن میں ڈال کر ہم اپنے بچوں کا مستقبل تباہ نہیں کرنا چاہتے، ہم دیکھ رہے ہیں کہ ائمہ مساجد اور اساتذہ مدارس کیسی رنجیدہ حالت میں ہیں۔ ان کے مستقبل کی کوئی ضمانت نہیں ہے، تو دیدہ ودانستہ ہم کیوں غلطی کرنے لگیں۔ ایسی ہی فکروسوچ کا ردِ عمل ہے کہ مدارس میں اچھے طلبہ کی تعداد دن بدن گھٹتی جارہی ہے۔ ہونہار طلبہ نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہورہے ہیں۔ گھر کے سب سے شریر، اہل خانہ کی نظروں میں معتوب، اسکول سے خارج شدہ لڑکے مدرسہ کا رُخ کر رہے ہیں۔ ظاہر ہے جس برتن میں جو ہوگا اس سے وہی تو ٹپکے گا۔ نتیجہ اتنا مایوس کن اور سنگین ہے پھر بھی کچھ لوگ خوش گمانی اور خوش فہمی کے حصار میں ہیں تعجب ہے۔ بدیں عقل ودانش بباید گریست

معروف ماہر نفسیات پروفیسر ڈاکٹر خالدہ ترین طلبہ کے حالات میں تبدیلی پر روزنامہ جنگ لاہور (دسمبر ۹۹ء) لکھتی ہیں:

''آج کا طالب علم مسلسل ایک دباؤ میں ہے، ایک بے یقینی کی کیفیت میں ہے، اس کے اندر منفی رجحان پیدا ہورہا ہے۔''

جب متعلم کے اندر بے یقینی اور منفی رجحان جنم لے لے تو پھر وہ تعلیم میں دلچسپی کیوں لے گا۔ وہ تو جیسے تیسے وقت گزاری کرے گا اور جتنی جلد ممکن ہو اس قیدِ زنداں سے آزاد ہونے کی کوشش کرے گا اور جب یہ سب ہونے لگے گا تو پھر مدرسہ اپنے مقصد کی تکمیل کیسے کرسکے گا، دین کا کیا ہوگا؟ ماحول ومعاشرہ کا کیا ہوگا؟ اور مسجد ومدرسہ کا کیا ہوگا؟

آج کا طالب علم بڑا احساس ہے وہ اپنے گردوپیش سے سبق لیتا ہے، وہ اپنے مدرسہ کے ماحول سے نتیجہ اخذ کرتا ہے اور اپنے تابناک مستقبل کے لیے لائحہ عمل بناتا ہے۔ وہ مجبوری وبے بسی کی زنجیر کو توڑ دینا چاہتا ہے، وہ ترقی پذیر دنیا کے شانہ بہ شانہ چلنے کی آرزو رکھتا ہے۔ اس لیے ضرورت ہے طلبہ کے نفسیات کو پڑھنے، کیفیات کو سمجھنے اور ضروریات پر فوری دھیان دینے کی، اور کسی ایسے لائحہ عمل کے تیار کرنے کی جس سے طلبہ میں اولوالعزمی اور بلند ہمتی کا جذبہ نمودار ہو، جس سے اس کے اندر سر جھکا کر نہیں سربلند کر کے چلنے کا جوہر پیدا ہو۔ اگر آج اس صورتِ حال پر توجہ نہیں کی گئی تو آنے والا کل سب کو بیکل کردے گا اور اس کا پہلا اثر مدرسہ پر پڑے گا۔

ایک مدرسہ کے بانی وصدر اپنے پرانے چندہ دہندہ کے پاس رمضان شریف میں پہنچے۔ سیٹھ صاحب نے پوچھا صدر صاحب! مدرسہ قائم ہوئے کتنے سال ہوئے؟ بولے بارہ سال۔ سالانہ آمد وخرچ کیا ہے؟ جواب دیا دولاکھ۔ اب تک کتنے علماء وحفاظ فارغ ہوئے ہیں؟ جواب دیا ایک حافظِ قرآن۔ سیٹھ صاحب نے کہا بارہ سال میں صرف ایک وہ بھی حافظِ قرآن۔ کہا ایک حافظِ قرآن کی قیمت آپ کے یہاں ۲۴ لاکھ روپے ہیں؟ صدر صاحب لاجواب۔ حالات کی یہ وہ ستم ظریفی ہے جس کے تدارک کا سامان کرنے، مسائل کا سنجیدہ حل ڈھونڈنے اور مواد جہاں سے رِس رہا ہے اس پھوڑے کا پتہ لگانے کی ضرورت ہے۔

عظیم دانشور، عالمی محقق، ماہر رضویات پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مظہری نے حالات کے تناظر میں یہی ریمارک کیا ہے اور حق یہ ہے کہ بہت صحیح کیا ہے۔ موصوف تحریر فرماتے ہیں:

"کسی بھی دینی ادارے کے بانی کے لیے ضروری ہے کہ اخلاص وفکر صحیح کے ساتھ ساتھ تعلیم کے بارے میں اس کے نظریات واضح اور مفید ہوں۔" (کنزالایمان، جون ۲۰۰۲ء)

ظاہر ہے جب تک اخلاص کی فراوانی اور مفید تعلیمی نظریات کی نورافشانی نہیں ہوگی گلشن مدارس کے بیل بوٹے کیسے گل بداماں اور ثمرآور ہوں گے۔ خودنمائی، خودسری، خودآرائی اور خودپسندی کے اس دور میں مزاج ایسا تعریف پسند ہو چکا ہے کہ اخلاص کی تلاش آبِ حیات کے چشمہ کی تلاش سے کم نہیں ہے۔ جس کا بیّن ثبوت یہ ہے کہ اب ذرہ برابر بھی کسی کو کسی کی تنقید گوارہ نہیں ہے، حالانکہ تنقید حسن و قبح کی پارکھ ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو آدمی کو اپنا ہر کام اچھا ہی لگنے لگتا ہے۔ چاہے بعض کریہہ ہی کیوں نہ ہو، ایسے موقع کے لیے خلیفۂ اوّل سیّدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ: "اگر آدمی کو اپنا ہر کام اچھا لگنے لگے تو فوراً اپنی اصلاح کرنی چاہیے اس لیے کہ شیطان اس حربہ سے بھی لوگوں کو ہلاک کرتا ہے۔" کچھ موقع پرستوں، کاسہ لیسوں نے حالات کی نزاکت دیکھ کر اپنے ضمیر کی آواز کے خلاف، محض مزاجِ یار کی خوشنودی کے لیے بیجا تعریف کا وہ طومار باندھنا شروع کردیا ہے کہ صداقت، بناوٹ کی پیوندکاری میں گم ہو کر رہ گئی ہے۔ ایسی مکدر فضا میں تعلیم کا فروغ زمین شور سے سنبل کی امید رکھنے کی طرح ہے، جبکہ اصحابِ بست وکشاد میں اخلاص کے ساتھ مفید اور واضح تعلیمی نظریات کا ہونا لازمی ہے۔ ان کا دامن جب خود اس جوہر عالی سے عاری ہوگا تو صحن چمن گلہائے رنگارنگ کا حامل کیسے ہو سکے گا۔ ایک باوقار، معیاری اور نتیجہ خیز ادارہ کی شان ہونی چاہیے، اس کے لازمی عناصر اور ضروری عوامل کیا کیا ہیں۔ معروف محقق پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب مظہری نے بڑی گہرائی سے جائزہ لیا ہے اور اپنا نقطۂ نظر پیش کیا ہے۔ موصوف رقم طراز ہیں:

"کسی بھی دارالعلوم کی تعمیر وتشکیل کے لیے توکل بھی ضروری ہے، استاذ بھی ضروری ہے، نصاب بھی ضروری ہے، عمارت بھی ضروری ہے، فرنیچر اور فرش وفروش بھی ضروری ہے اور فنڈز بھی ضروری ہے۔ دورِ جدید کے مدارس میں ان ضرورتوں کو معکوس کردیا گیا ہے، توکل کا نام ونشان نہ رہا، استاذ کی قدرو قیمت گھٹ رہی ہے، طالب علم کا کوئی پُرسانِ حال نہیں، نصاب کی کوئی پرواہ نہیں، عمارت کی تھوڑی بہت پرواہ ہے، سازوفنڈز کی فراہمی اور اسراف و تبذیر پر ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دارالعلوم کی روح استاذ ہے، استاذ اچھا ہے تو سب کچھ اچھا ہے، نصاب کی اہمیت اپنی جگہ مگر استاذ کی بات استاذ ہی کے ساتھ ہے۔" (کنزالایمان، جون ۲۰۰۲ء)

اس اقتباس کا ہر جملہ قابلِ غور اور لائق عمل ہے۔ تمام مدارس کی تصویر اس ایک آئینے میں دیکھی جا سکتی ہے۔ کسی بھی دارالعلوم کے انقلابی اثر اور آفاقی نتیجہ کے لیے جن ذرائع وعناصر کی واقعی ضرورت ہے اور جو خامی و کمی ہے وہ سب کچھ اس کوزے میں سمندر کی طرح محفوظ ہے۔ پھر اس اقتباس کا آخری جملہ کہ "نصاب کی اہمیت اپنی جگہ مگر استاذ کی بات استاذ ہی کے ساتھ ہے۔" یہ تو ماحول کی سردمہری پر تازیانے برسا رہا ہے۔ استاذ بہرحال استاذ ہے، درسگاہ کی ریڑھ کی ہڈی ہے۔ اگر استاذ کی عظمت واقعیہ مسلّم ہے اور وہ داخلی اعتبار سے مسرور ومطمئن ہے تو اس کے ویسے ہی خوشگوار اور شاندار اثرات مرتب ہوں گے، اور اگر معاملہ برعکس ہے تو نتیجہ آشکار ہی ہے، عیاں راچہ بیاں۔ پہلے کسی اچھے، ہونہار طالب علم کو دیکھ کر لوگ حیرت ومسرت سے پوچھتے تھے کس کے شاگرد ہو؟ یعنی شاگرد ایسا لائق ہے تو استاذ کیسا فائق ہوگا، وجہ یہ تھی کہ مدارس میں اخلاص وایثار کی حکمرانی، خدمت دین کے جذبہ کی نورافشانی تھی۔ اساتذہ نشاط انگیز دل لے کر پڑھاتے تھے، طلبہ وقت کے قدرشناس اور اپنے مستقبل کے معمار تھے، محنت و لگن سے پڑھتے تھے، مدرسہ کے در ودیوار سے علم کا نور برستا تھا اور آبادی کی آبادی جھل تھل ہوا اٹھتی تھی۔ ایک امام احمد رضا کے شاگردوں اور شاگردوں کے شاگردوں نے وہ دینی تعلیمی انقلاب برپا کیا کہ اجالا ہے جو پھیلتا جا رہا ہے، برکتیں ہیں جو چھاتی جا رہی ہیں ؎

بجتا ہے آج دین کا جو ساز دوستو
یہ بھی اسی جرس کی ہے آواز دوستو

مگر یہ وقت کا کتنا بڑا المیہ ہے کہ استاد جو سب کچھ ہے، درسگاہ کے قالب کا قلب ہے، طلبہ کی آرائش علم وفکر کا محور ہے، مدرسہ کے حصولِ مقاصد کا منبع ہے بعض مدارس میں اسے عضو معطل اور مجبورِ محض کی تصویر بنا دیا گیا ہے۔ شاید وہ لوگ یہ خیال کرتے ہوں گے کہ زیادہ پڑھانے سے طلبہ زیادہ پڑھ لیں گے، کاش کہ وہ حضرات طلبہ کی ذہنی کیفیت، درسگاہ کی نزاکت اور اساتذہ کی اہمیت وضرورت پر ٹھنڈے دل سے غور کرتے، درسگاہ کا ماحول سازگار اور پڑھنے پڑھانے کی فضا ہموار ہوتو

صرف ساڑھے پانچ گھنٹے اوقاتِ درس کے فیض سے ''تاج الشریعہ'' اور ''محدث کبیر'' پیدا ہوتے ہیں، اور اگر صورتِ حال معکوس ہو اور اندرونِ ذات ہی مدوجزر برپا ہو تو ۲۴ گھنٹے کی محنت بھی حسرت انگیز اور یاس آمیز ہی ہوتی ہے۔ ظاہر ہے خوش دلی وخوش طبعی کے رنگ وآہنگ میں ڈوب کر کام کرنے کی جولذت وبرکت ہے وہ اس جبری وقہری ماحول میں کہاں سے پیدا ہوسکتی ہے۔ آج جبکہ اچھے استاذ کی دن بدن کمی ہوتی جا رہی ہے ایسے میں جو بھی میسر ہیں وہ درِّ نایاب سے کم نہیں ہیں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ ہر طرح ان کی حوصلہ افزائی کی جاتی، مگر حالات کی دیدہ دلیری سے نالاں، ان میں بھی گونا گوں ہیجان برپا ہے، وہ بھی تجارت وغیرہ دوسرے امور میں لگ جانے کی فکر میں ہیں۔ اہل جب کنارہ کش ہو جائیں اور نااہل ان کی جگہ لے لیں تو انجامِ گلستاں کیا ہوگا؟ بانیٔ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک مبارک ارشاد کا مفہوم ہے: ''نااہل کو جب اہل کا درجہ دے دیا جائے تو قیامت کا انتظار کرو۔'' آج اس امر کی اشد ضرورت ہے کہ نظم ونسق یکسو، روادارانہ اور ہر قسم کی آلائش سے پاک ہو۔ تعلیم وتعلم، تدریس وتربیت ٹھوس، ہمہ گیر، مثبت ورجامعیت کی حامل ہو، خوب سے خوب تر بنانے کے تمام اوصاف سے ادارہ مرصع ہو، اگر ایسا ہے تو دل خود بخود اس کی طرف مائل ہوگا، روح عقیدت کے انوار سے منور ہوگی اور زبان از خود اسے اپنا ''مرکز'' کہے گی، ورنہ تاج محل میں بھی اگر صرف ظاہری رکھ رکھاؤ، نام ونمود اور آرائش ونمائش کا دور دورہ ہو تو اس پر وہ خس پوش جھونپڑی فوقیت وفضیلت رکھے گی جہاں نصابِ تعلیم درست، نظامِ تربیت چست، مقاصد بامعنیٰ اور حرکت وعمل اخلاص پر مبنی ہوں، انصاف یہ ہے کہ وہ جھونپڑی ہی ''مرکز'' تسلیم کی جائے گی۔ آج کے اس انگریزیت زدہ، مغربیت آلودہ ماحول میں جو لوگ بھی مدارسِ اسلامیہ چلا رہے ہیں، ہزار موانعات کے باوجود ذمہ داری نبھا رہے ہیں اور اس طرح اندھیرے میں بھی دین کا چراغ روشن رکھے ہوئے ہیں۔ وہ سب لائق احترام اور قابل صد تحسین وستائش ہیں۔ میں دل کی اتھاہ گہرائیوں سے ایسے تمام احباب کے کام کی قدر کرتے ہوئے انہیں مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ تاہم اتنی عرض وتمنا ہے کہ وہ اپنی کوشش کے چراغ میں امام احمد رضا کے ''دس نکاتی منصوبہ'' کا گر روغن ڈال لیتے تو اجالا اور صاف وشفاف، نتیجہ اور وسعت پذیر وہمہ گیر ہوجاتا۔ اب سے تقریباً سو برس پہلے ماہر تعلیمات امام احمد رضا محدث بریلوی نے مدرسہ کے ہر جزو کُل پر تنقیدی نظر ڈال کر بڑے دوررس نتائج کے حامل دس نکاتی فارمولے تیار کر کے قوم کے حوالہ کیا تھا۔ وہ دس نکاتی فارمولے ایسے ہیں کہ ان میں کا ہر نکتہ اپنے اندر جہانِ نکات رکھتا ہے۔ اگر ان نکات پر عمل کر لیا گیا ہوتا تو نہ تعلیم کی یہ حالت ہوتی اور نہ قوم کی یہ درگت ہوتی۔ ابھی بھی اگر ذمہ دارانِ مدارس خیال فرمائیں تو حالات کی کایا پلٹ سکتی ہے۔ ہم یہاں پر صرف چند نکات پیش کر رہے ہیں تاکہ نہ دیکھنے والے بھی دیکھ لیں، اور نہ سمجھنے والے جو نہ سمجھتے ہوئے بھی یہ سمجھتے ہیں کہ وہ سمجھ رہے ہیں، خدا کرے وہ بھی اچھی طرح سمجھ لیں۔

مدرسہ کیسا ہو اور تعلیم کیسی ہو، اس حوالے سے تحریر فرماتے ہیں۔

''عظیم الشان'' مدارس کھولے جائیں ''باقاعدہ'' تعلیمیں ہوں۔

اساتذہ کی اہمیت اور ضرورت پر روشنی ڈالتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''جو ہم میں قابلِ کار موجود، اور اپنی معاش میں مشغول ہیں، وظائف مقرر کر کے فارغ البال بنائے جائیں اور جس کام میں انہیں مہارت ہو لگائے جائیں۔''

اساتذہ کی تنخواہ کے بارے میں یوں گہر ریز ہیں:

''مدرسوں کو بیش قرار تنخواہیں، ان کی کارروائیوں پر دی جائیں کہ جان توڑ کوشش کریں۔''

طلبا کے مزاج وسرشت اور طبعی صلاحیت پر یوں روشنی ڈالتے ہیں:

''طبائع طلبہ کی جانچ ہو جو جس کام کے زیادہ مناسب دیکھا جائے اس میں لگایا جائے۔ ان میں کچھ مدرسین بنائے جائیں، کچھ واعظین، کچھ مصنفین، کچھ مناظرین۔'' (امام احمد رضا اور عشق مصطفیٰ، بحوالہ فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲)

ماہر رضویات نے بحر رضویات کی غواصی کر کے بڑے تابدار موتی چنے ہیں، ان میں سے کچھ یہ ہیں۔ مدرسہ کا اندرونی ماحول کیسا ہو اس گوشہ کو یوں جلا بخشتے ہیں۔

تعلیمی ادارہ کا ماحول پُرسکون اور پُروقار ہوتا کہ وحشت اور انتشارِ فکر کا گزر نہ ہو۔ تعلیم کا رشتہ چونکہ معاش سے جُڑ کے رہ گیا ہے اس لیے اس گوشہ کو بھی تشنہ نہیں چھوڑتے۔

ان علوم کی تعلیم دی جائے جو دین ودنیا میں کام آئیں، غیر مفید اور غیر ضروری علوم کو نصاب سے خارج کر دیا جائے۔ (کنز الایمان، جون ۲۰۰۲ء)

امام احمد رضا محدث بریلوی کے زریں خیالات، گوہر

فرمودات کو آئیڈیل بنا کر موجودہ حالت کے بطن سے پیدا شدہ مسائل اور تقاضوں کے پیشِ نظر ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ

۱)(الف) نظامِ عمل اگر علماء کے سپرد ہے تو مودبانہ گزارش ہے کہ امام احمد رضا کے بقول "عظیم الشان" مدارس کھولے جائیں، "باقاعدہ" تعلیمیں ہوں۔ اس جملے میں لفظ "عظیم الشان" اور "باقاعدہ" کی جو معنویت ہے اس کے جلال و جمال کو مدنظر رکھتے ہوئے مزید آئینہ بندی کر کے ایسا منظم طریق تعلیم رائج کیا جائے جس سے قابلِ فخر فضلاء پیدا ہوں۔

(ب) اور اگر نظامِ عمل علماء کے دخل سے محروم رہے تو مخلصانہ عرض ہے کہ علماء چونکہ اس راہ کے راہی ہونے کی وجہ سے اس کے نشیب و فراز سے بخوبی آگاہ ہوتے ہیں لہٰذا اساتذہ میں سے جو قابلِ کار، مخلص اور محنت شعار ہوں ان پر اعتبار کیا جائے۔ چونکہ فرائض کی کما حقہ ادائیگی اختیارات کے بغیر ممکن نہیں ہے، اس لیے کھل کر انہیں ان کے فرائض منصبی کو منصۂ شہور پر لانے کا اختیار دیا جائے۔ اختیارات کسی کے پاس ہوں اور فرائض کسی کے پاس یہ بیک وقت دو کشتی میں سوار ہونے کی طرح ہے جس سے منزلِ مقصود کا پانا نہایت مشکل ہے۔

۲) مدرسین و ملازمین کی حسن کارکردگی پر انہیں سراہا جائے، ہمہ نوع ان کی حوصلہ افزائی کی جائے، تا کہ پوری دل جمعی، دلچسپی اور دل بستگی کے ساتھ وہ اپنے فرائض انجام دیتے رہیں۔

۳) انتظامیہ و اساتذہ مل کر درونِ مدرسہ ایسی پُر بہار فضا تشکیل دیں کہ طلبہ کا حوصلہ بلند، ان کا ذوق و شوق تازہ و تابندہ، اکتسابی صلاحیت اجاگر اور خوابیدہ امنگ بیدار ہو۔

۴) بقول امام احمد رضا "ان علوم کی تعلیم دی جائے جو دین و دنیا میں کام آئیں" اس جملہ میں محدث بریلوی نے صرف دین کی بات نہیں کی ہے بلکہ دین کے ساتھ دنیا کو بھی مدنظر رکھا ہے، اس لیے اب بہت ضروری ہو گیا ہے کہ نصابِ تعلیم میں ایسا مناسب اور مفید حذف و اضافہ کیا جائے جس سے طلبہ کی معاشی زندگی میں سدھار ہو، مثلاً فن طب و حکمت، دستکاری، کمپیوٹر وغیرہ کے علم و ہنر کو لازمی قرار دیا جائے، تا کہ طلبہ میں خود شناسی، خودداری اور خود اعتمادی کی روح تازہ رہے۔

۵) درجۂ حفظ و قرأت کے لیے تو کوئی خاص مسئلہ نہیں ہے، اصل مسئلہ درجۂ عالمیت و فضیلت کا ہے۔ اس تعلق سے میری رائے ہے کہ اپنے مرکزی تصور کے بامِ رفیع سے نیچے اتر کر، مرجع مراکز تعلیم جامعۃ الرضا، بریلی شریف سے مدرسہ کا الحاق کیا جائے۔ یا نہیں تو صرف درجۂ عالمیت تک کا کورس اپنے مدرسہ میں رکھیں، فضیلت کے دوسالہ کورس کے لیے اشرفیہ سے رابطہ رکھیں اور طلبہ روانہ کر دیں۔ اس سے طلبہ کی ستعدادِ عمدہ، صلاحیت بالیدہ اور لیاقت مزید پختہ ہو جائے گی۔

۶) بعض ایسے فنون اس وقت جن کی ضرورت ہے، غیر ضروری فنوں کی جگہ رائج و نافذ کیے جائیں۔ ایسے میں وہ زبان جو سکّہ رائج الوقت کی طرح اپنی اہمیت منوا چکی ہے، زبان برائے زبان کی حد تک اس کی تحصیل ضروری بنائی جائے تا کہ اسلامیات کی ابلاغ و تبلیغ میں بھی آسانی ہو اور طلبہ بھی احساسِ کمتری کے شکار نہ ہوں۔

۷) ہر مدرسہ میں حسب وسعت و استطاعت شعبۂ تصنیف و اشاعت قائم کیا جائے۔ اور اس نقطۂ نظر سے طلبہ کی قلمی تربیت کی جائے تا کہ پرنٹ میڈیا کے اس مسابقتی دور میں طلبہ موثر کردار ادا کر سکیں۔

۸) مدارسِ اسلامیہ کا یہ عجوبہ بھی کچھ کم حیرت ناک نہیں ہے کہ تقریباً ہر مدرسہ کا اپنا الگ نصابِ تعلیم ہے۔ ایک ضلع میں اگر دس مدرسے ہیں تو دسوں کا نصاب متضاد ہے۔ اس تعلق سے یہاں پٹنہ بہار میں ادارۂ شرعیہ کے زیر اہتمام پیش رفت ہوئی ہے۔ متعدد مدارس کے نصاب کو سامنے رکھ کر ایک جامع، سہل الحصول اور ضروریاتِ زمانہ کے تقاضوں سے مرصّع، قابلِ قبول نصاب تیار کیا گیا ہے، جو ان شاء اللہ بہت جلد آپ کے سامنے ہوگا۔ جس کی موزونیت، معقولیت اور ہمہ گیریت کے آپ بھی قائل ہوں گے۔

شاید کہ اُتر جائے تیرے دل میں میری بات

مدارسِ اسلامیہ مغربی سیلاب بلا کی یلغار کے لیے آہنی دیوار ہیں۔ ضرورت ہے کہ یہ دیوار محفوظ رہے۔ مدارسِ اسلامیہ مساجد و خانقاہ کی ظلمت فکر کے لیے شمع ہدایت ہیں، ضرورت ہے کہ یہ روشن رہیں۔ مدارسِ اسلامیہ ہمارا تہذیبی ورثہ اور تمدنی اثاثہ ہیں ضرورت ہے کہ یہ سدا سلامت رہیں۔ مگر خلش اس وقت ہوتی ہے جب یہ اپنے مبہم زاویہ فکر اور موہوم طریقۂ عمل سے محلِ بحث و نظر بن جاتے ہیں۔ انہیں مسائل و نوازل کے سدِّ باب کے لیے ہم نے سطورِ بالا میں چند ناگزیر گزارشات دیدہ وروں کے سامنے رکھے ہیں، اور یہ سوچ کر رکھے ہیں کہ

منظور ہے اس بزم میں اصلاحِ مفاسد
نشتر جو لگاتا ہے وہ دشمن نہیں ہوتا

□□□

وابستگان سراواں کی خدمت میں مرکزی ادارہ شرعیہ سے دہابنہ کی رد میں لکھا گیا ایک اہم فتویٰ، بنام

مسئلہ اقامت کا علمی جائزہ

مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی: بانی جامعہ نوریہ شام پور

مسئلہ اقامت پہ اکابر اہل سنت نے وہابیہ ودیابنہ کے اعتراضات کے جواب میں اتنا کچھ لکھ دیا ہے کہ اب کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں، وہی ہر زمانہ کے لئے کافی ووافی ہے۔ مگر کچھ ماہ پیشتر اس عہد کی مشکوک ومتنازع خانقاہ ''سراواں الہ آباد'' سے وہابیہ ودیابنہ کے موقف کی تائید میں ایک کتاب ''مسئلہ اذان واقامت ایک معتدل نظریہ'' شائع ہوئی، جس نے اہل سنت وجماعت کے ہر شخص کو انگشت بدنداں کردیا اور لوگ ''دھیرے دھیرے شیخ جی جانے لگے ہیں راہ سے'' کہنے پہ مجبور ہوگئے۔ الرضا کے پچھلے شمارہ (نومبر دسمبر ۲۰۱۷) میں اس پر ''اہل سنت کی پشت میں خنجر'' کے عنوان سے کشف حال کے لئے اداریہ لکھ دیا گیا جو احباب کی فرمائش پہ کتابی صورت میں بھی شائع ہوا۔ اس اداریہ پہ اپنی خفت مٹانے کے لئے اہل سراواں نے ایک صاحب کے نام سے اس کا مہمل جواب لکھوایا، تو جواب الجواب کے طور پہ جناب مولانا احمد رضا صابری صاحب نے اس تحریر کے بخیہ ادھیڑ کر رکھ دئے، جو سات قسطوں میں قارئین کے لیے آن لائن کی گئیں، جس کے بعد دنیا نے سراواں کی بیچارگی کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ جبکہ ابھی مزید کئی قسطیں آن لائن ہونا باقی ہیں،

اسی درمیان مجھے یاد آیا کہ اسی موضوع پہ دیابنہ کے تنظیمی مرکز امارت شرعیہ پٹنہ سے بھی فرضی حوالہ اور مہمل استدلال پر مبنی ایک فتویٰ شائع ہوا تھا جس کا دنداں شکن اور مسکت جواب حضرت مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی (سابق صدر شعبہ افتا ادارہ شرعیہ پٹنہ بہار) نے دیا تھا جو ادارہ کے ترجمان ''سہ ماہی رفاقت'' پٹنہ میں اسی وقت شائع ہوا۔ اہل علم حضرات دونوں تحریروں (امارت کے فتویٰ اور سراواں کی کتاب) کے مطالعہ سے واضح طور پر یہ محسوس کریں گے کہ سراواں کی کتاب اور امارت شرعیہ کے فتویٰ میں موقف، استدلال اور فریب پیہم میں اس درجہ یکسانیت ہے کہ ناموں کا فرق نہ ہو تو امارت اور خانقاہ سراواں کا امتیاز مشکل ہوجائے۔ یہ ہے نام نہاد ''خانقاہ'' سراواں کی حقیقت۔

حالات اور تقاضے کے سبب حضرت مفتی صاحب کا وہ فتویٰ قارئین الرضا کی خدمت میں پیش ہے۔ قارئین اس سے اندازہ لگائیں کہ امارت کے مفتی نے ایک مکروہ عمل کو صحیح ثابت کرنے لئے دغا فریب اور غلط استدلال سے جس طرح کام لیا ہے اہل سراواں کا عمل اس سے بہت زیادہ الگ نہیں ہے۔ مفتی صاحب نے امارت (اور اب سراواں کے) غلط فتویٰ کی تردید کے ساتھ نفس مسئلہ کو مستند حوالوں سے ایسا واضح کردیا ہے کہ کہیں کوئی شبہہ باقی نہیں رہتا۔ خدا کرے اہل سراواں کے لئے یہ تحریر چشم کشا اور قبول حق کے لئے رہنما ثابت ہو۔ اہل سراواں اس سلسلہ میں اگر بیان صفائی کے طور پہ کچھ لکھنا چاہیں تو ضروری نوٹ یا جواب کے ساتھ شائع کرنے لئے الرضا کے صفحات حاضر ہیں۔ ادارہ

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جواب میں کافی تاخیر ہوئی، وجہ یہ ہوئی کہ امارت شرعیہ کے فتویٰ میں ص ر۱ سطر ۱۳ ر پر فتح الباری جلد ۲ ر ص ۹۹ ر کے حوالہ سے یہ عبارت نقل کی ہے: فقد ثبت عن الصحابة انهم كانوا يقومون اذا شرع المؤذن في الاقامة۔۔۔۔۔۔

فقیر نے صرف یہ کہ فتح الباری ج ۲ ر کا یہ صفحہ ہی نہیں بلکہ پورا باب پڑھ ڈالا مگر اس عبارت کا کہیں نام ونشان نہ ملا۔۔۔ جب صورت حال یہ ہوئی تو امارت شرعیہ ٹیلی فون کیا۔ فون پر وہاں کے نائب مفتی

آئے اور دوسرے دن اس عبارت کی صحیح نشاندہی کا وعدہ کیا۔

میں نے جب دوسرے دن فون کیا تو موصوف نے کہا کہ:

''مجھے بھی ہر ممکن تلاش کے باوجود فتح الباری میں یہ عبارت نہیں ملی صدر مفتی جناب محمد جنید عالم جنہوں نے یہ فتویٰ لکھا ہے وہ باہر گئے ہوئے ہیں تین چار دن میں آجائیں گے۔''

ایک ہفتہ گذر جانے کے بعد میں نے پھر فون کیا تو مفتی صاحب موصوف مل گئے اور انہوں نے انکشاف کیا کہ:

یہ حوالہ میں نے براہ راست ''فتح الباری'' سے نقل نہیں کیا ہے بلکہ اپنی جماعت کے سر برآوردہ عالم مفتی عبدالرحیم کی کتاب ''فتاویٰ رحیمیہ'' سے نقل کیا ہے اب اگر وہ عبارت ''فتح الباری'' میں نہیں مل رہی ہے تو فتاویٰ رحیمیہ کے مصنف کی ذمے داری ہے۔ میری نہیں'' اس پر میں نے کہا:

''آپ محض فتاویٰ رحیمیہ کا نام بتا کر اپنی ذمے داری سے سبکدوش نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ اولاً آپ نے اپنے فتویٰ میں اس عبارت کو فتح الباری کے حوالہ سے نقل کیا ہے فتاویٰ رحیمیہ سے منقول ہونے کا کوئی اشارہ تک نہیں دیا ہے۔ ثانیاً اشارہ بھی دے دیا ہوتا بلکہ صراحت بھی کر دی ہوتی، جب بھی آپ بری الذمہ نہیں ہو سکتے تھے کیونکہ اس صورت میں اگرچہ آپ پر خود ساختہ عبارت لکھنے کا الزام عائد نہیں ہوتا مگر جب آپ نے فتویٰ کی بنیاد ہی اس عبارت پر رکھی ہے اور یہ عبارت آپ کے بجائے آپ کی جماعت کے مفتی عبد الرحیم کی خود سازی کا نتیجہ ہے تو آپ کا فتویٰ محض بالا دلیل بلکہ خود ساختہ عبارت پر مبنی رہ جاتا ہے۔''

تو مولانا موصوف نے کہا:

''فتاویٰ رحیمیہ کے مصنف ابھی زندہ ہیں میں ان کی طرف رجوع کرتا ہوں اور پھر جو جواب وہاں سے ملتا ہے اس سے آپ کو مطلع کرتا ہوں۔ آپ مجھے کچھ دنوں کی مہلت دیں۔''

مولانا کے یہ کہنے پر میں نے ایک مہینہ تک ان سے کوئی تقاضا نہیں کیا ایک مہینہ گذر جانے کے بعد فون کیا تو انہوں نے بتایا کہ:

''مفتی عبدالرحیم صاحب سے میری ملاقات ہوئی اور میں نے فتح الباری کی اس عبارت کے تعلق سے معلوم کیا مگر وہ بروقت نشاندہی نہیں کر سکے۔ اسی لئے میں نے ان کو رجسٹری خط بھیجا ہے وہ جلد ہی کوئی جواب دیں گے اور پھر میں آپ کو مطلع کروں گا''

مولانا کی طرف سے ۲۰/۲۵ دنوں تک کوئی اطلاع نہیں آئی تو میں نے پھر فون کیا اس پر انہوں نے کہا:

''ابھی تک جواب نہیں آیا ہے مگر امید ہے بہت جلد آجائے گا'' اس طرح جب ایک مہینہ اور گذر گیا تو میں نے فون پر پھر تقاضا کیا اس کے جواب میں مولانا نے کہا کہ:

''میں نے مصنف سے زبانی بھی کہا تھا رجسٹری بھی لکھی ہے بار بار یاد دہانی کے خطوط بھی لکھ رہا ہوں مگر وہاں سے کوئی جواب نہیں آرہا ہے اس لئے میرے پاس اپنی صفائی میں اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ میں فتاویٰ رحیمیہ کے اس صفحہ کا عکس آپ کو بھیج دوں جہاں سے فتح الباری کے حوالے سے یہ عبارت نقل کی ہے۔ آپ کسی آدمی کو میرے پاس بھیج دیں''

مولانا کے یہ کہنے پر میں نے یہاں سے آدمی بھیجا اور مولانا موصوف نے فتاویٰ رحیمیہ کے اس صفحہ کا عکس مجھے بھیج دیا۔ جس میں فتح الباری کے حوالے سے یہ خود ساختہ عبارت مندرج ہے ----اس طرح جواب میں کافی تاخیر ہوگئی۔

بہر حال امارت شرعیہ کا یہ فتویٰ جو دراصل فتاویٰ رحیمیہ کا چربہ ہے، شرعی فتویٰ نہیں، بلکہ خود ساختہ عبارت پر مبنی، دعویٰ و دلیل میں تخالف پر مشتمل تضادات کا مجموعہ، غیر واقعی باتوں کا مرقع اور شریعت کے خلاف ہے۔ چنانچہ اس کے ص ۲ر سطر ۱۶/۱۷ میں ہے

''جب مکبر بھی حی علی الفلاح کہتا ہے تو اس وقت امام و مقتدی سب کے سب کھڑے ہوتے ہیں اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا ہے اور نہ ہی امت میں کسی فقیہ کا یہ مذہب ہے''

اس کے برخلاف ص ۱ر سطر ۲۳/۲۴ میں ہے۔

مذہب حنفی کی پوری تفصیل عالم گیری اور بدائع الصنائع میں ہے کہ اگر مقتدی امام کے ساتھ مسجد میں ہوں تو دونوں حی علی الفلاح کہنے کے وقت کھڑے ہوں''

اسی صفحہ ۱ر سطر ۲۷/۲۸ میں ہے۔

کتب فقہ حنفی میں اس مسئلہ کے سلسلے میں جو تفصیل مذکور ہے اس میں صرف ایک صورت میں جبکہ امام و مقتدی پہلے سے مسجد میں موجود ہوں اور امام محراب سے قریب ہو تو حی علی الفلاح یا حی

علی الصلاۃ کے وقت کھڑے ہونے کا ذکر ہے''

صفحہ ۲/کی بارہویں سطر میں ہے

''بہر کیف صرف ایک صورت میں حی علی الفلاح پر کھڑے ہونے کی بات ہے اور وہ بھی نماز کے آداب میں ہے''

(۱) سوال یہ ہے کہ ص ا سطر ۲۳/ ۲۴ اور ۲۷/ ۲۸ کے مطابق اگر یہ صحیح ہے کہ عالمگیری اور بدائع الصنائع اور فقہ حنفی کی دوسری کتابوں میں بھی یہ لکھا ہے کہ ''مقتدی امام کے ساتھ مسجد میں ہوں تو دونوں حی علی الصلوٰۃ کے وقت کھڑے ہوں تو یہ نماز کے آداب سے ہے'' -----تو اس کے برخلاف ص/ ۲ سطر ۱۶/ ۱۷ کی یہ بات کیسے درست ہوسکتی ہے کہ ''جب مکبر حی علی الفلاح کہتا ہے تو اس وقت امام ومقتدی سب کے سب کھڑے ہوتے ہیں اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا ہے اور نہ ہی امت میں کسی فقیہ کا یہ مذہب ہے'' -----کیا ایک حنفی کے حق میں فتاویٰ عالمگیری، بدائع الصنائع اور فقہ حنفی کی دوسری کتابوں میں بھی ہونا ثبوت نہیں ہے؟ اور کیا عالمگیری، بدائع الصناع اور فقہ حنفی کی دوسری کتابوں کے مصنفین امت کے فقیہ نہیں؟

(۲) صفحہ ۲ کی پہلی سطر میں ہے

''فقہا نے اس کو آداب صلوٰۃ کے تحت ذکر کیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اس پر عمل کریں گے تو ثواب ہوگا''

صفحہ ۲ کی سطر ۶ میں ہے

''یعنی حی علی الفلاح پر کھڑا ہونا اس لئے افضل ہے چونکہ اس میں کھڑے ہونے کا حکم ہے''

اس کے برخلاف ص ۲ ہی کی آٹھویں سطر میں ہے۔

''اگر کوئی شخص شروع ہی سے کھڑا ہوجائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے بلکہ بہتر ہے''

سوال یہ ہے کہ پہلی سطر کے مطابق جب حی علی الفلاح پر کھڑا ہونا ہی نماز کے آداب سے ہے اس پر عمل کرنے میں ثواب ہے۔ چھٹی سطر کے مطابق وہی افضل ہے-----تو پھر اس کے برخلاف آٹھویں سطر کی یہ بات کیسے درست ہوسکتی ہے کہ ''شروع سے کھڑا ہوجانا بہتر ہے اس میں کوئی حرج نہیں''

کیا آداب نماز کے خلاف ہونے میں کوئی حرج نہیں؟ اور کیا وہ کام جو افضل ہو جس کے کرنے میں ثواب ہو، اسے نہ کرنا اور بالائے طاق رکھ دینا ہی بہتر ہے؟

(۳) صفحہ ا/کی دوسری سطر میں ہے

''احادیث اور آثار صحابہ سے ابتدائے اقامت سے کھڑے ہونے کا ثبوت ملتا ہے''

اسی صفحہ کی سولہویں سطر میں ہے۔

''اور جب روایات وآثار سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرام ابتدائے اقامت سے کھڑے ہوجاتے تھے تو یہ عمل ناجائز ومکروہ کیسے ہوسکتا ہے''

صفحہ ۳ کی چھٹی سطر میں ہے

''صحابہ کرام کا عام معمول ابتدائے اقامت سے کھڑے ہونے کا تھا۔ لہذا یہ عمل مکروہ اور غلط نہیں ہوسکتا ہے''

آحادیث وآثار صحابہ سے ثابت ہونا ہی مکروہ ہونے کی دلیل ہو تو پھر (الف) ایک ہی رکعت تراویح پڑھنا بھی صحیح ہوگا کہ یہ بھی احادیث وآثار صحابہ سے ثابت ہے، چنانچہ مسلم شریف ج ا ص ۲۵۷/ میں حضرت ابن عمر سے روایت ہے۔ الوتر رکعة من اخر اللیل۔ وتر آخر رات میں ایک رکعت ہے۔ (ب) گدھے اور خچر کے جوٹھے پانی سے وضو پر اکتفا کرلینا بھی درست ہوگا۔ کفایہ میں ہے۔

وروی عن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنھما انہ لا بأس بالتوضی بہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایسے پانی سے وضو کرنے میں کوئی حرج نہیں (ج) مقتدی کے لئے امام کے پیچھے قرات کرنا بھی مکروہ نہ ہوگا۔ ترمذی شریف میں ہے۔

عن عبادۃ ابن الصامت قال صلی رسول اللہ ﷺ الصبح فثقلت علیہ القرأۃ فلما انصرف قال انی اریٰ کم تقرؤن وراءا مامکم قال قلنا یارسول اللہ ای واللہ قال لا تفعلوا الا بام القرأن فانہ لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بھا و فی الباب عن ابی ھریرۃ وعائشہ وانس وابی قتادہ وعبداللہ بن عمرو قال ابو عیسیٰ حدیث عبادۃ حدیث حسن وروی ھذا۔ (ج ا ص ۶۹، ۷۰، ۷۱)

عبادہ بن صامت کہتے ہیں کہ ایک بار نبی کریم ﷺ فجر کی

نماز پڑھ رہے تھے کہ قرأت کرنے میں دشواری پیش آئی نماز سے فارغ ہوکر آپ نے فرمایا میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگ امام کے پیچھے قرأۃ کرتے ہوئے عبادہ بن صامت کہتے ہیں ہم نے عرض کیا ہاں! یارسول اللہ! سرکار نے فرمایا ایسا نہ کرو۔ ہاں سورہ فاتحہ پڑھ لیا کرو۔ کیوں کہ جو سورہ فاتحہ نہیں پڑھتا اس کی نماز نہیں ہوتی۔ اس باب میں حضرت ابی ہریرہ، حضرت عائشہ، حضرت انس، حضرت ابی قتادہ، حضرت عبداللہ بن عمر سے بھی حدیث مروی ہے۔ امام ترمذی کہتے ہیں کہ حضرت عبادہ کی حدیث حسن ہے اور یہی حدیث زہری نے محمود بن ربیع سے انہوں نے عبادہ بن صامت سے، انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کی ہے کہ جو سورہ فاتحہ نہیں پڑھتا، اس کی نماز نہیں۔ یہ حدیث زیادہ صحیح ہے اور صحابہ و تابعین میں سے اکثر اہل علم کے نزدیک امام کے پیچھے قرأت کرنے کے سلسلہ میں اس حدیث پر عمل ہے۔ مالک بن انس، ابن مبارک، شافعی، احمد اور اسحاق کا قول یہی ہے۔ یہ لوگ امام کے پیچھے قرأت کرنا جائز سمجھتے ہیں۔ (ج ۱، ص ۶۹/۷۰/۷۱)

(د) نماز میں غیر مقلدین کی طرح ہاتھ جھاڑنا بھی مکروہ نہ ہوگا۔ بخاری شریف کی ج ۱ ص ۱۰۲ میں حضرت نافع سے مروی ہے۔ ان ابن عمر کان اذا دخل فی الصلوۃ کبر و رفع یدیہ و اذا قال سمع اللہ لمن حمدہ رفع یدیہ و اذا قام من الرکعتین رفع یدیہ و رفع ذالک ابن عمر الی النبی صلی اللہ علیہ و سلم۔ حضرت ابن عبداللہ ابن عمر جب نماز شروع کرتے تو تکبیر کہتے اور ہاتھوں کو اٹھاتے تھے جب سمع اللہ لمن حمدہ کہتے تو بھی ہاتھوں کو اٹھاتے جب دو رکعت کے بعد کھڑے ہوتے تو بھی ہاتھوں کو اٹھاتے وہ کہتے تھے کہ نبی کریم ﷺ نے بھی ایسا کیا ہے۔

(ہ) سورہ فاتحہ کے اختتام پر زور سے آمین کہنا بھی مکروہ نہ ہو گا۔ بخاری شریف ج ۱ ص ۱۰۷ میں ہے۔

امّن ابن الزبیر و من ورائہ حتی ان للمسجد للجہ ابن زبیر اور ان کے پیچھے والوں نے آمین کہی یہاں تک کہ مسجد میں گونج پیدا ہوگئی۔ (غیر مقلدین کے ان معمولات کا جواب اہل سنت کی دوسری کتابوں مین موجود ہے وہاں مطالعہ کیا جائے۔ ادارہ)

(۴) صفحہ ۱ کی پہلی سطر میں ہے۔

''اس کو ناجائز، مکروہ یا خلاف شرع کہنا غلط بے بنیاد اور کتاب وسنت سے ناواقفیت کی دلیل ہے''

ص ۳ کی ساتویں سطر میں ہے۔

''اس کو غلط اور مکروہ کہنے والے احادیث وروایات سے ناواقف ہیں''

اگر ابتدائے اقامت سے کھڑے ہوئے ہونے کو مکروہ بتانے والے احادیث وروایات سے ناواقف ہیں تو ذرا ان ناواقفین کی فہرست ملاحظہ فرمائیے جنھوں نے اسے مکروہ لکھا ہے۔

(۱) علامہ جمال الدین یوسف بن محمد صاحب جامع المضرات
(۲) شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ
(۳) ملا نظام الدین برہان پوری صدر مرتبین فتاویٰ عالمگیری
(۴) ملا وجیہ الدین گوپاموئی نائب صدر " " "
(۵) ملا حامد جونپوری " " " "
(۶) قاضی محمد حسین جونپوری " " " "
(۷) ملا جلال الدین محمد جونپوری " " " "
(۸) سید نظام الدین ٹھٹھوی مرتب " "
(۹) ملا محمد جمیل صدیقی " "
(۱۰) مولانا شفیع سرہندی " "
(۱۱) قاضی محمد ابو خیر " "
(۱۲) ملا ابو واعظ ہرگامی مرتب فتاویٰ عالمگیری
(۱۳) ملا وجیہ الدین " " "
(۱۴) ملا ضیا الدین محدث " " "
(۱۵) سید محمد قنوجی " " "
(۱۶) شیخ رضی الدین بھاگلپوری " " "
(۱۷) ملا محمد اکرام لاہوری " " "
(۱۸) مولانا محمد فائق " " "
(۱۹) قاضی علی اکبر سعد اللہ خانی " " "
(۲۰) سید عنایت اللہ مونگیری " " "
(۲۱) ملا محمد غلام لاہوری " " "
(۲۲) ملا فصیح الدین جعفری " " "
(۲۳) شیخ احمد خطیب " " "

(۲۴) ملاغوث " " "
(۲۵) سید میراں علامہ الفرح " " "
چنانچہ فتاویٰ عالمگیری ج ا ص ۲۹ میں ہے۔
اذدخل الرجل عند الاقامة یکرہ له الانتظار قائما ولکن یقعد ثم یقوم اذا بلغ المؤذن قوله حی علی الفلاح کذا فی المضمرات۔ جو شخص اقامت کے وقت آئے اس کے لئے کھڑے ہوکر انتظار کرنا مکروہ ہے وہ بیٹھ جائے اور جب مؤذن حی علی الفلاح پر پہونچے تو کھڑا ہو جیسا کہ مضمرات میں ہے۔
(۲۶) علامہ سید محمد طحطاوی محشی مراقی الفلاح ودر مختار طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۱۶۶؍ میں ہے۔
ویفهم منه کراهة القیام ابتداء الاقامة والناس عنهم غافلون۔
اس سے مفہوم ہو رہا ہے کہ شروع اقامت ہی میں کھڑا ہونا مکروہ ہے اور لوگ اس سے غافل ہیں۔
(۲۷) علامہ ابن عابدین شامی صاحب ردالمحتار ج ا ص ۲۹۵ میں ہے۔ **ویکرہ له الانتظار قائماً۔** کھڑے ہوکر انتظار کرنا مکروہ ہے۔
(۲۸) مولانا عبدالحئی لکھنوی عمدۃ الرعایا ج ا ص ۱۵۵ میں ہے **۔واذدخل المسجد یکرہ له انتظار الصلوۃ قائما بل یجلس فی موضع ثم یقوم عند حی علی الفلاح وبه صرح فی جامع المضمرات۔** جب آدمی مسجد میں داخل ہو تو اس کے لئے کھڑے رہ کر نماز میں کا انتظار کرنا مکروہ ہے بلکہ کسی جگہ بیٹھ جائے اور حی علی الفلاح کے وقت کھڑا ہو۔ جامع المضمر ات میں اس کی صراحت ہے۔
تو کیا تنہا امارت شرعیہ کے یہ مفتی صاحب ہی احادیث و روایات سے واقف ہیں اور مذکورہ بالا تمام فقہائے احناف کتاب و سنت سے نابلد اور احادیث وریات سے ناواقف ہیں؟
(۵) ص ا رکے سطر ۱۰ ر تک ہے۔
"مصنف عبدالرزاق میں ہے۔ **عن ابن جریج قال اخبرنی عن ابن شهاب ان الناس کانوا ساعة یقول المؤذن الله اکبر الله اکبر یقوم الناس الی الصلوۃ فلا یاتی النبی ﷺ مقامه حتی یعدل الصفوف۔**
ابن شہاب سے مروی ہے کہ جس وقت موذن اللہ اکبر اللہ اکبر کہتا تو لوگ نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے اور حضور اکرم ﷺ کے تشریف لانے تک صفیں درست ہو جاتی تھیں۔
مسلم میں حضرت ابوھریرہ کی روایت ہے: **عن ابی هریرۃ یقول اقیمت الصلوۃ فقمنا فعدلنا الصفوف قبل ان یخرج الینا رسول ﷺ**
حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ نماز کھڑی ہوتی تو ہم کھڑے ہو جاتے اور حضور اکرم ﷺ کے ہمارے طرف نکلنے سے پہلے ہی صفیں درست کر لیتے۔
افعال صحابہ سے استدلال کا یہی حال رہا تو کوئی بعید نہیں کہ مفتی امارت شرعیہ شراب کو بھی جائز قرار دیں۔ کیوں کہ صحابہ کرام ابتدائے اسلام میں شراب بھی پیتے تھے اور وہ اس وقت جائز بھی تھی۔ پھر بعد میں اس کی حرمت نازل ہوئی۔ اور نبی کریم ﷺ نے اس سے منع فرمادیا۔
تفسیرات احمدیہ سورۂ بقرہ ص ۶۷ میں ہے۔
کان المسلمون یشربون الخمر وهی لهم حلال ثم بعد مضی الزمان قال عمر وجماعة من الصحابة یارسول الله! افتنا فی الخمر فانها سلبة العقل ونقصة المال فنزلت هذه الایة یعنی قوله تعالیٰ انما الخمر والمیسر الی قوله تعالیٰ قل فیهما اثم کبیر ومنافع للناس فشربها قوم وترکها آخرون ومضی علیه زمان ثم شرب عبدالرحمٰن بن عوف وجماعة من الصحابة ۔ابتدائے اسلام میں مسلمان شراب پیتے تھے وہ اس وقت حلال تھی ایک زمانہ گذر جانے کے بعد جب حضرت عمر اور صحابہ کی ایک جماعت نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا یارسول اللہ! شراب عقل و مال دونوں کو تباہ کرتی ہے تو کیا ہم اس سے اعراض کریں۔ اس پر آیت کریمہ انما الخمر والمیسر الایہ نازل ہوئی تو کچھ لوگوں نے شراب چھوڑ دی اور کچھ لوگ پیتے ہی رہے اسی طرح ایک زمانہ گذر گیا پھر عبدالرحمٰن بن عوف اور صحابہ کی ایک جماعت نے بھی شراب پی۔
شاید اسی لئے حضرت امام بن عیینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے **الاحادیث مضلة الا للفقهاء** غیر فقیہ کا احادیث سے استدلال کرنا گمراہی ہے۔

ابتدائے اقامت ہی میں بعض صحابہ کرام کے کھڑے ہوجانے کی وہ حدیثیں، جن کو مفتی امارت شرعیہ نے پیش کیا ہے ، بخاری شریف کے شارح حضرت علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی نقل کرکے ارشاد فرماتے ہیں۔

لعله کان مرۃ او مرتین او نحو هما لبیان الجواز او لعذر او لعل قوله ﷺ فلاتقوموا حتی ترونی کان بعد ذالک

(عمدۃ القاری ج ۲ ص ۲۷۶)

بعض صحابہ نے ایسا ایک دومرتبہ کیا تھا وہ بھی اس لئے تاکہ لوگوں کو معلوم ہوجائے کہ پہلے کھڑا ہوجانا بھی ناجائز نہیں۔ یا کسی عذر کی وجہ سے ایسا کیا تھا، یا حضور کے منع فرمانے سے پہلے کیا تھا۔

دوسرے شارح علامہ ابن علی حجر عسقلانی فرماتے ہیں۔

ان ضیعهم فی حدیث ابی هریره کان سبب النهی عن ذالک فی حدیث ابی قتادۃ وانهم کانو یقومون ساعة تقام الصلوٰۃ و لولم یخرج النبی ﷺ فنهاهم عن ذالک

(ج ۲ ص ۱۱۹)

بعض صحابہ کے شروع اقامت میں کھڑے ہوجانے کی وجہ سے حضور ﷺ نے حدیث ابی قتادہ میں اس سے منع فرمایا کچھ صحابہ ابتدائے اقامت ہی میں کھڑے ہوجاتے تھے خواہ ابھی حضور کی تشریف آوری نہ ہوتی تو آپ نے اس سے منع فرمادیا۔

مؤطا کے شارح علامہ عبدالباقی زرقانی فرماتے ہیں۔

فیجمع بینه و بین حدیث ابی قتادۃ بان ذالک ربما وقع لبیان الجواز بان صنعهم فی حدیث ابی قتادۃ وانهم کانوا یقومون ساعة تقام الصلوٰۃ و لولم یخرج ﷺ فنهاهم عن ذالک۔ (شرح مؤطا ج ۱ ص ۱۳۴)

ابتدائے اقامت ہی میں صحابہ کے کھڑے ہوجانے والی حدیثوں اور ابی قتادہ کی حدیث جس میں سرکار نے پہلے کھڑے ہونے سے منع فرمایا ہے ان میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ صحابہ پہلے اس لئے کھڑے ہوگئے تھے تاکہ معلوم ہوجائے کہ پہلے کھڑا ہوجانا ناجائز نہیں ہے یا صحابہ حضور کے منع فرمانے سے پہلے ایسا کرنے لگے تو حضور نے اس سے منع فرمادیا۔

مسلم شریف کے شارح شیخ محی الدین ابوزکریا نووی فرماتے ہیں۔

لعله کان مرۃ او مرتین و نحو هما لبیان الجواز او لعذر و لعل قوله ﷺ فلاتقوموا حتی ترونی کان بعد ذالک (ج ۱ ص ۱۲۲)

شاید ایک دومرتبہ صحابہ نے ایسا کیا تھا یہ بتانے کے لئے کہ کبھی کوئی کھڑا ہوجائے تو ناجائز نہیں ہوگا یا کیسی عذر سے ایسا کیا تھا یا حضور کے منع فرمانے سے پہلے ایسا کیا تھا۔

بخاری شریف، مؤطا شریف اور مسلم شریف کے ان شارحین نے بالاتفاق یہ فرمایا ہے کہ بعض صحابہ کرام کا ابتدائے اقامت میں کھڑا ہوجانا محض ایک دوبار تھا۔ وہ بھی یہ بتانے کے لئے کہ ایسا کرنا ناجائز و گناہ نہیں ہے۔ اگرچہ بہتر نہیں، یا کسی عذر کی بنا پر انہوں نے ایسا کیا تھا۔ ان کے ایسا کرنے کی وجہ سے حضور نے منع فرمادیا یعنی اب شروع اقامت ہی میں بعض صحابہ کے کھڑے ہوجانے والی حدیثوں پر عمل نہیں ہوسکتا کیونکہ حضور کے منع فرمادینے کے بعد وہ حدیثیں منسوخ ہوگئیں۔

(۲) ص ۱ کی آخری سطر اور ص ۲ کی پہلی سطر میں ہے۔

''یہ حکم بھی کوئی فرض، واجب یا سنت نہیں ہے بلکہ فقہاء نے اس کو آداب صلوٰۃ کے تحت ذکر کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اس پر عمل کریں گے تو ثواب ملے گا۔''

یہ صحیح ہے کہ حی علی الصلوٰۃ یا حی الفلاح پر کھڑا ہونا کوئی فرض یا واجب یا سنت مؤکدہ نہیں ہے جس پر عمل نہ کیا جائے تو گناہ ہو بلکہ آداب نماز میں ہے جس پر عمل کرنا خود مفتی امارت کے نزدیک بھی ثواب کا کام ہے------اور آداب نماز کسے کہتے ہیں وہ علامہ شامی کی زبانی سنئے ردالمحتار ج ۱ ص ۳۵۳ میں ہے۔

اداب جمع ادب و هو فی الصلوٰۃ ما فعله رسول الله ﷺ مرۃ او مرتین و لم یواظب علیه۔ آداب ادب کی جمع ہے اور آداب نماز وہ ہے جسے نبی کریم ﷺ نے گاہے گاہے کیا ہو۔ اس پر مداومت نہیں فرمائی ہو۔

اسی میں ہے **قوله ترکه ای ترک الاداب الذی تضمنه لفظ جمعه قوله کترک سنة الزوائد هی السنن الغیر المؤکدہ۔** خلاصہ یہ ہے کہ حی علی الصلوٰۃ یا حی علی الفلاح پر کھڑا ہونا سنت غیر مؤکدہ اور ثواب کا کام ہے اور ابتدائے اقامت ہی سے کھڑا ہوجانا سنت غیر مؤکدہ

کے خلاف اور ثواب سے محرومی ہے---مفتی امارت شرعیہ ابتدائے اقامت ہی سے کھڑے ہونے پر زور دیکر لوگوں سے اس سنت کے خلاف عمل کرانا اور انہیں ثواب سے محروم رکھنا چاہتے ہیں۔

(۷) ص ۲ سطر ۱۰/۱۱ میں طحطاوی علی الدر کے حوالہ سے ہے۔

والقیام لامام ومؤتم حین قیل حی علی الفلاح مسارعة لامتثال امر الظاہر انہ احتراز عن التاخیر لا التقدیم حتی لا قام اول الاقامة لاباس بہ۔ (ج ا ص ۲۱۵)

اسی طرح تیسری سطر میں ہے۔

’’اس کا مطلب یہ ہے کہ ابتدائے اقامت سے کھڑے ہونے میں کوئی حرج نہیں‘‘

پہلی بات تو یہ ہے کہ طحطاوی علی الدر میں اس عبارت کے اختتام پر لفظ ’’حرز‘‘ جو دعوت غور فکر پر دال ہے۔ مفتی امارت شرعیہ نے اس کو چھوڑ دیا ہے جس سے ان کی نیت کا پتہ چلتا ہے۔

دوسری بات یہ کہ محض لغت دیکھ کر قانونی واصطلاحی الفاظ کی مراد متعین نہیں ہوسکتی۔ ورنہ قرآن کریم میں مذکور لفظ ’’صلوٰۃ‘‘ جس کا مطلب قانون واصطلاح شرع میں نماز ہے اس سے اس کا لغوی معنی ’’دعا‘‘ مراد لینے کا دروازہ کھل جائے گا۔

فقہائے متاخرین کا کسی تعلیل سے **الظاہر انہ** کہہ کر تفریع کرنا اپنے مذہب کو بیان کرنا نہیں ہوتا ہے بلکہ کبھی اس پر اعتراض کرنا اور اپنے شک وشبہ کا اظہار کرنا ہوتا ہے حضرت عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں۔

’’دریں عبارت لفظ ظاہر دلالت بوقوع شک می کندو لا قول للشک‘‘ اس عبارت میں لفظ ظاہر یہ بتاتا ہے کہ مصنف کو شک ہو رہا ہے اور جس بات میں شک ہو وہ مذہب نہیں ہوتی۔

علامہ طحطاوی نے حی علی الفلاح پر کھڑے ہونے کی علت محض ’’مسارعت لاتثال امر‘‘ بتانے پر اعتراض کیا ہے کہ اس سے دھوکہ ہو رہا ہے کہ شروع اقامت پر کھڑے ہونے میں حرج نہ ہو۔ حالانکہ اس وقت کھڑا ہوجانا مکروہ ہے۔ چنانچہ خود علامہ طحطاوی نے ہی اپنی دوسری کتاب طحطاوی علی مراقی الفلاح میں فرمایا ہے۔

واذا اخذ المؤذن فی الاقامة ودخل رجل المسجد فانہ یقعد ولا ینتظر قائما فانہ مکروہ کما فی المضمرات قہستانی ویفہم منہ کراہة القیام ابتداء الاقامة والناس عنہ غافلون ۲۶

اور جب مؤذن اقامت کہنے لگے اس وقت کوئی مسجد میں آئے تو بیٹھ جائے کھڑے ہوکر انتظار نہ کرے کیونکہ ایسا کرنا مکروہ ہے جیسا کہ قہستانی کی مضمرات میں ہے اس سے مفہوم ہو رہا ہے کہ ابتدائے اقامت سے کھڑا ہونا مکروہ ہے اور لوگ اس سے غافل ہیں۔

(۸) ص ۸ سطر ۲۷ میں ہے۔

’’حی علی الفلاح پر کھڑے ہونے کی صورت میں نماز شروع ہونے سے قبل صفیں سیدھی نہیں ہوسکتی ہیں۔ اس صورت میں دو ہی باتیں ہوسکتی ہیں یا تو نماز شروع ہوجانے کے بعد مقتدی درست کرنے میں مشغول ہوں گے۔ جس سے انتشار ہوگا یا صفوں کو بغیر درست کئے ہوئے امام کے ساتھ نماز شروع کریں گے۔ پہلی صورت میں ایک فعل منکر کا ارتکاب لازم آئیگا جو بہر حال غلط ہے‘‘

ص ۳/سطر ۱۷/میں ہے۔

حی علی الفلاح پر کھڑے ہونے کی صورت میں یا تو کچھ لوگوں کی تکبیر اولیٰ فوت ہوگی، یا صفوں کی درستگی نہیں ہوسکے گی۔

گویا جن فقہائے کرام نے حی علی الصلوٰۃ یا حی علی الفلاح پر کھڑے ہونے کا حکم دیا اور اس کو آداب صلوٰۃ میں شمار کیا۔ انہوں نے جان بوجھ کر مسلمانوں کو تکبیر اولیٰ فوت کردینے یا ایک فعل منکر کے ارتکاب کرنے کا حکم دیا ہے۔ جو مفتی امارت شرعیہ کی زبان میں بہر حال غلط ہے ------ بلکہ علامہ شامی کے بقول یہ سنت غیر مؤکدہ ہے جیسا کہ گذشتہ سطور میں ج ا/ص ۵۳ ۳/کے حوالہ سے گذر چکا ہے اور بخاری شریف، مسلم شریف اور دوسری حدیث کی معتبر کتابوں میں مذکور روایت قتادہ کے مطابق خود سرکار دوعالم ﷺ نے پہلے کھڑے ہونے سے منع فرمایا ہے، تو کیا آپ نے بھی امت کو تکبیر اولیٰ فوت کردینے یا ایک فعل منکر کا ارتکاب کرلینے کا حکم دیا ہے جو مفتی امارت شرعیہ کی زبان میں بہر حال غلط ہے؟

خلاصہ یہ کہ فقہاء نے جو کہا وہ بھی بہر حال غلط ہے اور نبی نے جو ارشاد فرمایا وہ بھی بہر حال غلط۔ اگر صحیح ہے تو صرف امارت شرعیہ کے مفتی کا فرمان۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

اب رہی بات کہ امام ومقتدی حی علی الصلوٰۃ یا حی علی الفلاح پر کھڑے ہوں تو صفوں کی درستگی کب کی جائے گی تو بخاری شریف ج ۱ رص ۸۸ رمسلم شریف ج ۱ رص ۲۲ رترمذی شریف ج ۱ رص ۱۳۰ رابو داؤد شریف ج ۱ رص ۶ رونسائی شریف ج ۱ رص ۱۱۱ روغیرہ متعدد حدیث کی کتابوں میں ہے۔

اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا تقوموا حتی ترونی۔ جب اقامت ہو تو جب تک مجھے دیکھ نہ لو کھڑے مت ہوا کرو۔

اور حضور کی تشریف آوری اس وقت ہوتی جب مکبر حی علی الفلاح کہتا۔ مرقاۃ ج ۱ رص ۱۹۹ راور حاشیہ مشکوٰۃ ص ۶۴ رمیں ہے۔

لعلہ ﷺ کان یخرج من الحجرۃ بعد شروع المؤذن فی الاقامۃ و یدخل فی محراب المسجد عند قولہ حی علی الصلوٰۃ قال ائمتنا یقوم الامام و القوم عند حی علی الصلوٰۃ۔ حضور ﷺ مؤذن کے اقامت شروع کرنے کے بعد حجرے سے نکلتے اور جب حی علی الصلوٰۃ کہتا تو آپ مسجد کے محراب میں داخل ہوتے اس لئے ہمارے یعنی حنفیوں کے اماموں نے فرمایا ہے کہ حی علی الصلوٰۃ کے وقت کھڑے ہوں۔

اشعۃ اللمعات ج ۱ رص ۳۲۱ رمیں ہے۔

فقہا گفتہ اند مذہب آنست کہ نزد حی علی الصلوٰۃ بایدبرخواست و شاید کہ بروں آمدن آں حضرت دریں وقت می بود۔ فقہاء نے مذہب یہی بتایا ہے کہ حی علی الصلوٰۃ پر کھڑے ہوں۔ غالباً حضور کی مسجد میں تشریف آوری کا یہی وقت ہوتا تھا۔

حاشیہ ترمذی ج ۱ ص ۱۳۰ میں ہے۔

قال الشیخ فی اللمعات قال الفقہا یقومون عند حی علی الصلوٰۃ و لعل ذالک عند حضرت الامام یحتمل انہ ﷺ لما کان یخرج عند ہذا القول۔ شیخ نے لمعات میں لکھا ہے کہ فقہا کا فرمان ہے کہ حی علی الصلوٰۃ پر کھڑا ہو جائے جب کہ امام موجود ہو، شاید حضور اسی وقت مسجد میں تشریف لاتے تھے۔

اور جب مکبر کے حی علی الصلوٰۃ کہنے پر آپ تشریف لاتے تو صحابہ کھڑے ہوتے۔ اور آپ صفیں درست کرواتے۔ جب صفیں درست ہو جاتیں تب تکبیر تحریمہ کہتے۔

بخاری شریف ج ۱ رص ۱۰۰ رمیں ہے۔

اقیمت الصلوٰۃ فاقبل علینا رسول اللہ ﷺ بوجھہ فقال اقیموا صفوفکم الا خ۔ اقامت کہی گئی تو سرکار نے ہماری طرف رخ کرکے فرمایا کہ اپنی اپنی صفوں کو درست کرلو۔

ابوداؤد شریف میں ہے۔

کان رسول اللہ ﷺ یسوی صفوفنا اذا اقمنا الی الصلوٰۃ فاذا استوینا کبر۔ جب ہم نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے تو سرکار ہماری صفوں کو درست فرماتے جب ہماری صفیں درست ہو جاتیں تو تکبیر تحریمہ کہتے۔

اس لئے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے مؤطا ص ۶۶ پر حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے فرمایا ہے۔

قال محمد للقوم اذا قال المؤذن حی علی الفلاح ان یقوموا الی الصلوٰۃ فیصفوا و یسووا الصفوف و یحاذوبین المناکب فاذا اقام المؤذن الصلوٰۃ کبر الامام و ہو قول ابی حنیفۃ۔

امام محمد نے فرمایا ہے جب مؤذن حی علی الفلاح کہے تو سب لوگ کھڑے ہو کر صف بنالیں اور صف سیدھی کرلیں اس طرح کہ کندھے، کندھے کے مقابل آجائیں پھر جب موذن قد قامت الصلوٰۃ کہے تو امام تکبیر تحریمہ کہے، امام اعظم ابوحنیفہ کا ارشاد یہی ہے۔

خلاصہ یہ کہ شریعت کو یہاں دو چیزیں مطلوب ہیں۔

(۱) حی علی الفلاح سے پہلے کھڑا نہ ہونا۔ جس کی صورت یہ ہے کہ حی علی الفلاح پر کھڑے ہو کر فوراً صف درست کرلیں اس کے بعد امام تکبیر تحریمہ کہے یہ نہیں کہ مطلوب شرع میں سے ایک مطلوب چیز ''صف کی درستگی'' پر عمل پیرا ہونے کے لئے دوسری مطلوب چیز (حی علی الفلاح سے پہلے کھڑا نہ ہونا) کو چھوڑ دیں۔ خصوصاً جبکہ پہلے کھڑا ہو جانا مکروہ بھی ہے جیسا کہ ماسبق میں گذرا۔

امارت شرعیہ کے اس غلط فتویٰ کے تجزیہ کے بعد اب اصل مسئلہ ملاحظہ کیجئے تکبیر کہنے کی پانچ صورتیں ہیں۔

(الف) امام مسجد میں موجود نہ ہو، باہر سے آرہا ہو، اور ابھی مسجد میں داخل نہیں ہوا ہے کہ خود ہی تکبیر کہنی شروع کردی جو ہمارے یہاں مروج نہیں۔ اس صورت میں تمام مشائخ کا اتفاق ہے کہ مقتدی ابھی بیٹھے رہیں کوئی بھی کھڑا نہ ہو جب امام مسجد میں آجائے

تب لوگ کھڑے ہوں۔

فتاویٰ عالمگیری ج ا رص ۲۹ رمیں ہے۔

و ان اقام خارج المسجد اتفقوا علی انھم لا یقومون ما لم یدخل الامام المسجد۔ امام مسجد سے باہر تکبیر شروع کردے تو ہمارے مشائخ کا اتفاق ہے کہ جب تک وہ مسجد میں داخل نہ ہو جائے متقدی کھڑے نہ ہوں۔

(ب) امام مسجد میں موجود ہو اور وہی تکبیر کہے یہ صورت کبھی کبھی ہوجاتی ہے اس صورت میں حکم یہ ہے کہ مقتدی ابھی بیٹھے رہیں کھڑے نہ ہوں جب امام تکبیر سے فارغ ہوجائے تب کھڑے ہوں۔

فتاویٰ عالمگیری ج ا ص ۲۹ ہی میں ہے۔

و ان کان المؤذن و الامام واحدا ان اقام فی المسجد فالقوم لا یقومون مالم یفرغ من الاقامة کذا۔ امام ہی مسجد میں تکبیر کہے تو مقتدی بیٹھے رہیں جب امام تکبیر سے فارغ ہوجائے تب کھڑے ہوں

بحر الرائق ج ا ص ۳۲۱ میں ہے۔

فان کان واحدا و اقام فی المسجد فالقوم لا یقومون حتی یفرغ من الاقامة کذا فی الظھیریة۔ امام ہی مسجد میں تکبیر کہے تو جب تک امام تکبیر سے فارغ نہ ہوجائے مقتدی کھڑے نہ ہوں جیسا کہ ظہیریہ میں ہے۔

جامع الرموز میں ہے

لو کان الامام مؤذنا لم یقم القوم الا عند الفراغ و ھذا اذا قام فی المسجد۔ امام ہی مسجد کے اندر تکبیر کہے تو جب تک امام تکبیر سے فارغ نہ ہو مقتدی کھڑے نہ ہوں۔

(ج) امام کے علاوہ کوئی دوسرا شخص تکبیر کہے اور تکبیر کے وقت امام مسجد میں نہ ہو بلکہ مسجد سے باہر ہو اور قبلہ کی طرف سے آرہا ہو یہ صورت ہمارے یہاں مروج نہیں اس صورت کا حکم یہ ہے کہ مقتدی ابھی بیٹھے ہوں اور کھڑا نہ ہو جب امام پر نظر پڑ جائے تب کھڑے ہوں۔

فتاویٰ عالمگیری ا ص ۲۹ میں ہے۔

و ان کان الامام دخل المسجد من قدامھم یقومون کما رأو الامام۔ امام مسجد میں قبلہ کی طرف سے آئے تو امام کو دیکھ کر کھڑے ہوں۔

(د) امام کے علاوہ کوئی دوسرا شخص تکبیر کہے اور تکبیر کے وقت امام مسجد میں نہ ہو بلکہ باہر غیر قبلہ کی طرف ہو یہ صورت بھی ہمارے یہاں مروج نہیں ہے اس کا حکم یہ کہ مقتدی ابھی بیٹھے رہیں کھڑے نہ ہوں امام آتے ہوئے جس صف تک پہونچے اس صف کے لوگ کھڑے ہوجائیں۔

فتاویٰ عالمگیری ج ا ص ۲۹ میں ہے

اذا کان الامام خارج المسجد فان دخل من قبل الصفوف فکلما جاوز صفاً قام ذالک الصف۔

امام مسجد سے باہر ہو اور صفوں کی طرف سے آرہا ہو تو جس صف سے گذرے اس صف کے لوگ کھڑے ہوجائیں۔

(ہ) امام کے علاوہ کوئی دوسرا شخص تکبیر کہے اور امام مسجد ہی میں محراب یا اس کے قریب موجود ہو جیسا کہ عام طور پر ہمارے یہاں ہوتا ہے اس کا حکم ہمارے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ جن کے ہم مقلد ہیں اور جن کی نسبت سے ہم حنفی کہلاتے ہیں ان کے نزدیک اور ان کے شاگرد محرر مذہب امام محمد رحمۃ اللہ کے نزدیک یہ ہے کہ امام و مقتدی سب بیٹھے رہیں جب مکبر حی علی الصلوٰۃ کہے تو کھڑا ہونا شروع کریں اور حی علی الفلاح کی ابتداء تک کھڑے ہوکر صف سیدھی کریں۔

بخاری شریف کی شرح فتح الباری ج ۲ ص ۱۱۹ میں ہے۔

وعن ابی حنیفة و محمد یقومون اذا قال حی علی الفلاح۔ امام ابوحنیفہ سے روایت ہے کہ جب مکبر حی علی الفلاح کہے تو سب کھڑے ہوں۔

دوسری شرح عمدۃ القاری ج ا ص ۶۷۵ میں ہے۔

وقال ابو حنیفه و محمد یقومون فی الصف اذا قال حی علی الصلوٰة۔ امام ابوحنیفہ اور امام محمد نے فرمایا ہے کہ مکبر حی علی الصلوٰۃ کہے تو لوگ کھڑے ہوں۔

بعض حضرات کے بقول امام ابو یوسف اور امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ اس صورت میں بھی اقامت ختم ہوجانے کے بعد ہی کھڑا ہونا مستحب ہے۔

بخاری شریف کی تیسری شرح ارشاد الساری ج ۲ ص ۱۸ میں ہے۔

فقال الشافعی و الجمھور عند الفراغ من الاقامة و ھو قول ابی یوسف۔ امام شافعی اور جمہور کا کہنا یہ ہے کہ مکبر امامت سے فارغ ہوجائے تب کھڑے ہوں امام یوسف کا قول بھی یہی ہے۔

عمدۃ القاری ج ۲ / ص ۲۷۶ / میں ہے۔

ومذھب الشافعی وطائفۃ انہ یستحب ان لایقوم حتی یفرغ الموذن من الاقامۃ وھو قول ابی یوسف۔ امام شافعی اور ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ اس وقت تک کوئی کھڑا نہ ہو جب تک مکبر اقامت سے فارغ نہ ہو جائے یہی مستحب ہے امام ابو یوسف بھی یہی کہتے ہیں۔

مسلم شریف کی شرح نووی ج ۱ ص ۲۲۰ میں ہے۔

فمذھب الشافعی انہ یستحب ان لایقوم احد حتی یفرغ الموذن من الاقامۃ۔ امام شافعی اور ایک جماعت کے مذہب کے مطابق مستحب یہ ہے کہ جب تک موذن اقامت سے فارغ نہ ہو جائے کوئی کھڑا نہ ہو۔

امام زفر اور امام احمد بن حنبل کا مسلک یہ ہے کہ قد قامت الصلوٰۃ پر کھڑا ہونا مستحب ہے صحابی رسول حضرت انس کا مسلک بھی یہی تھا ابن المبارک بھی یہی کہتے تھے۔

عمدۃ القاری ج ۲ / ص ۲۷۶ / میں ہے۔

وقال احمد اذا قال المؤذن قد قامت الصلوٰۃ یقوم وقال زفر اذا قال المؤذن قد قامت الصلوٰۃ مرۃ قاموا

امام احمد نے کہا ہے کہ جب مؤذن قد قامت الصلوٰۃ کہہ لے تب کھڑے ہوں اور امام زفر نے کہا ہے کہ جب مؤذن پہلی مرتبہ قد قامت الصلوٰۃ کہے تو کھڑے ہوں۔

مسلم شریف کی شرح نووی میں ہے۔

وکان انس یقوم اذا قال المؤذن قد قامت الصلوٰۃ وبہ قال احمد رحمہ اللہ تعالیٰ ج ۱ ص ۲۲۱

حضرت انس اس وقت کھڑے ہوتے تھے جب مکبر قد قامت الصلوٰۃ کہہ لیتا۔ امام احمد کا بھی یہی کہنا ہے۔

فتح الباری ج ۲ ص ۱۱۹ میں ہے۔

عن انس انہ کان یقوم اذا قال المؤذن قد قامت الصلوہ۔ حضرت انس سے مروی ہے کہ جب مکبر قد قامت الصلوٰۃ کہہ لیتا تب وہ کھڑے ہوتے۔

ترمذی شریف ج ۱ / ص ۱۳۰ / میں ہے۔

وقال بعضھم اذا کان الامام فی المسجد اقیمت الصلوٰۃ فانہ یقومون اذا قال المؤذن قد قامت الصلوۃ قد قامت الصلوۃ وھو قول ابن المبارک۔ کچھ حضرات نے کہا ہے کہ امام مسجد میں ہو تو جب مکبر قد قامت الصلوٰۃ قد قامت الصلوٰۃ کہہ لے تب کھڑے ہوں، ابن المبارک بھی یہی فرماتے ہیں۔

وقایہ میں ہے:

ویقوم الامام والقوم عند حی علی الصلوۃ۔ امام اور مقتدی سبھی حی علی الصلوٰۃ کے وقت کھڑے ہوں۔

نقایہ میں ہے۔

ویقوم عند حی علی الصلوۃ۔ حی علی الصلوٰۃ پر کھڑے ہوں۔ کنز الدقائق میں ہے۔

وآدابھا ـــــ القیام حین قیل حی علی الفلاح۔ نماز کا ایک ادب یہ ہے کہ لوگ اقامت میں حی علی الفلاح کہنے پر کھڑے ہوں۔

البدائع والصنائع ج ۱ ص ۲۰۰ میں ہے۔

الجملۃ فیہ ان المؤذن اذا قال حی علی الفلاح فان کان الامام معھم فی المسجد یستحب للقوم ان یقوموا فی الصف۔ خلاصہ یہ ہے کہ امام جب مقتدیوں کے ساتھ مسجد میں ہو تو مستحب ہے کہ مکبر حی علی الفلاح کہے تب سب لوگ صف میں کھڑے ہوں۔

بحر الرائق ج ۱ ص ۳۲۱ میں ہے۔

والقیام حین قیل حی الفلاح، لانہ امر بہ فستحب المسارعۃ الیہ اطلقہ فشمل الامام والماموم ان کا یقرب المحراب وھذا کلہ اذا کان المؤذن غیر الامام۔ اقامت امام کے علاوہ کوئی دوسرا کہے اور امام محراب کے قریب ہو تو امام اور مقتدی سبھی حی علی الفلاح پر کھڑے ہوں کیوں کہ اس لفظ سے نماز کے لئے بلایا جاتا ہے اس لئے اس لفظ پر نماز کے لئے تیار ہونا مستحب ہوگا۔

رمز الحقائق ج ۱ / ص ۱۳۱ / میں ہے۔

والخامس القیام ای قیام الامام والقوم حین قیل ای حین یقول المؤذن حی علی الفلاح۔ نماز کا پانچواں ادب یہ ہے کہ امام اور مقتدی اس وقت کھڑے ہوں جب تکبیر کہنے والا حی علی الفلاح کہے۔

شرح مختصر الوقایہ للبرجندی ج ا ص ۸۶ میں ہے۔

ای اذا قال المؤذن حی علی الصلوۃ فی الاقامۃ و کان الامام و القوم فی المسجد ینبغی ان یقوموا اھذھو المذکور فی الھدایہ و الوقایہ۔ مقتدی کے ساتھ امام بھی مسجد میں موجود ہو تو سب لوگ اقامت میں مؤذن کے حی علی الصلوۃ کہنے پر کھڑے ہوں ہدایہ اور وقایہ میں یہی ہے۔

شرح نقایہ ج ا ص ۶۳ میں ہے۔

الافضل ان یکون المؤذن ھو المقیم و یقوم الامام و القوم عند قول المقیم حی علی الصلوۃ۔ بہتر یہ ہے کہ موذن ہی اقامت کہے اور امام و مقتدی سب مکبر کے حی علی الصلوۃ کہنے پر کھڑے ہوں۔

شرح الکنز للشیخ مصطفی الطائی میں ہے۔

و القیام لامام و مؤتم حین قیل فی الاقامۃ حی علی الفلاح۔ امام اور مقتدی اس وقت کھڑے ہوں جب اقامت میں حی علی الفلاح کہا جائے۔

تنویر الابصار میں ہے۔

و بھا آداب۔۔۔القیام حین قیل حی علی الفلاح۔ نماز کا ایک ادب یہ ہے کہ اقامت میں حی علی الفلاح پر کھڑے ہوں۔

نور الایضاح ص ۴۷ میں ہے۔

و من ادابھا۔۔۔القیام حین قیل حی علی الصلوۃ ۔اقامت میں حی علی الصلوۃ پر کھڑا ہونا نماز کے آداب میں سے ایک ادب ہے۔

درمختار میں ہے۔

و القیام للامام و مؤتم حین قیل حی علی الفلاح ۔۔۔ان کان الامام بقرب المحراب۔ امام اگر محراب کے قریب موجود ہو تو مکبر حی علی الفلاح کہے تب امام و مقتدی کھڑے ہوں۔

مراقی الفلاح میں ہے۔

و من الادب القیام ای قیام القوم و الامام ان کان حاضراً بقرب المحراب حین قیل ای وقت قول المقیم حی علی الفلاح۔ نماز کا ایک ادب یہ ہے کہ امام محراب کے قریب موجود ہو تو مکبر کے حی علی الفلاح کہنے پر ہی امام و مقتدی کھڑے ہوں۔

جامع الرموز ج ا ص ۷۲ میں ہے۔

فی الاختیار اذا قال حی علی الصلوۃ۔ ''اختیار میں ہے کہ جب مکبر حی علی الصلوۃ کہے تو کھڑے ہوں

فتاویٰ عالمگیری ج ا ر ص ۲۹ ر میں ہے۔

ان کان المؤذن غیر الامام و کان القوم مع الامام فی المسجد فانہ یقوم الامام و القوم اذا قال المؤذن حی علی الفلاح عند علمائنا الثلثۃ۔

اقامت امام کے علاوہ دوسرا شخص کہے اور مقتدی کے ساتھ امام بھی مسجد میں ہی ہوں تو ہمارے تینوں علمائے احناف کا مسلک یہی ہے کہ مکبر جب حی علی الفلاح کہے تب کھڑے ہوں۔

شامی ج ا ص ۴۳۱ ر میں ہے۔

حین قیل حی علی الفلاح کذا فی الکنز و نور الایضاح و الاصلاح و الظھیریہ و البدائع و غیرھا۔ کنز ،نور الایضاح ،اصلاح، ظہیریہ اور بدائع وغیرہا میں بھی یہی ہے کہ حی علی الفلاح پر کھڑے ہوں۔

مالابدمنہ از حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی ص ۳۱ میں ہے۔

طریقہ خواندن نماز بروجہہ سنت آنست کہ اذان گفتہ شود و اقامت و نزد حی علی الصلوۃ امام برخیزد۔

سنت کے مطابق نماز پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ اذان و اقامت کہی جائے اور امام حی علی الصلوۃ پر کھڑے ہوں۔

الاشباح حاشیہ نور الایضاح از مولانا اعزاز علی مدرس دار العلوم دیوبند ص ۴۷ ر میں ہے۔

ای و من الادب قیام القوم و الامام ان کان حاضراً بقرب المحراب وقت قول المقیم حی علی الفلاح۔ نماز کا ادب یہ کہ امام محراب کے قریب موجود ہوں تو امام و مقتدی سبھی مکبر کے حی علی الفلاح کہنے پر کھڑے ہوں۔

مظاہر حق ترجمہ مشکوۃ ج ا ص ۴۲۳ میں ہے۔

''کہا ہے اماموں ہمارے نے'' کہ کھڑے ہوویں امام و قوم نزدیک حی علی الصلوۃ''۔ فتاویٰ عالمگیری کا جو ترجمہ مولانا انظر شاہ

کشمیری مفسر دار العلوم دیو بند نے کیا ہے۔ اس کی جلد ا رجز دوم ص ۱۴ ر میں ہے۔

''اگر مؤذن امام کے علاوہ کوئی دوسرا ہے اور نمازی امام سمیت مسجد میں ہیں اس صورت میں موذن اقامت کہتے ہوئے حی علی الفلاح پر پہونچے تو ہمارے تینوں ائمہ امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک امام اور نمازی کو کھڑا ہونا چاہئے درست یہی ہے''

اسلامی فقہ ص ۱۱۹ میں جماعت اسلامی کے معتمد عالم مولانا منہاج الدین لکھتے ہیں۔

''اقامت کہنے والا جب حی علی الصلوٰۃ کہے، مقتدی کو کھڑا ہوجانا چاہئے۔ حنفی علماء کا یہی مسلک ہے۔''

خلاصہ یہ کہ امام اعظم ابوحنیفہ جن کے ہم مقلد ہیں اور جن کی نسبت سے ہم حنفی کہلاتے ہیں۔ ان کے نزدیک، اسی طرح امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفر، امام شافعی امام احمد ابن حنبل، حضرت ابن المبارک اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ان تمام جمہور ائمہ وعلماء کے نزدیک ''حی علی الصلوٰۃ'' یا اس کے بعد ہی کھڑا ہونا نماز میں ادب اور مستحب ہے ''حی علی الصلوٰۃ'' سے پہلے کھڑا ہونا ان میں سے کسی کا مسلک نہیں۔ اسی لئے فقہائے کرام نے شروع اقامت ہی میں کھڑے ہوجانے کو مکروہ قرار دیا ہے بلکہ جو شخص اقامت کے درمیان ''حی علی الصلوٰۃ'' سے پہلے آئے اس کیلئے بھی کھڑے رہ جانے کو مکروہ بتایا ہے۔ جیسا کہ اس سے پہلے اٹھائیس فقہاء کی عبارتیں مذکور ہوچکی ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ مسلمانوں کو اقامت کے وقت ''حی علی الصلوٰۃ'' پر کھڑے ہوکر اپنے نبی کی سنت پر عمل کرنے اور نماز میں ادب کی بجا آوری کرکے ثواب پانے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ اور شروع اقامت ہی میں کھڑے ہوکر سنت کے خلاف کرنے اور نماز میں بے ادبی کرکے مکروہ فعل کا مرتکب ہونے سے بچائے۔ آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

☆☆☆

بقیہ طلاق کے خلاف بل......

تاریخ کی یہ صداقت بھی حیرتوں میں ڈال دینے والی ہے کہ آج طلاق کے نام پر جس قوم کی پگڑی اچھالی جارہی ہے۔ بدنامی کا طوق جس کے گلے میں ڈالا جارہا ہے اس کے یہاں طلاق کے واقعات دوسری قوموں کے مقابلے میں کم اور بہت کم ہیں۔ امریکہ جو دنیا کا سب سے ترقی یافتہ ملک شمار کیا جاتا ہے۔ ایک سروے کے مطابق 1990ء میں وہاں 2126000 شادیاں ہوئیں 1170000 طلاق کے واقعات سامنے آئے۔ ڈنمارک میں 30894 شادیاں ہوئیں طلاق کے واقعات 15152 ہیں۔ سوئٹزر لینڈ میں 46603 شادیاں ہوئیں طلاق کے واقعات 1313 ہیں۔ ہندوستان میں چار مسلم اکثریتی علاقے میں 2011ء سے 2015ء کے درمیان مختلف قوموں کے درمیان ہونے والے طلاق واقعات ایک سروے کے مطابق اس طرح ہیں:

مسلمان۔ 1307
عیسائی۔ 4872
ہندو۔ 16505
سکھ۔ 8

ملکی وبین الاقوامی سطح پر واقعات طلاق کے اس سروے کے تناظر میں میڈیا کی جانب سے کئے جانے والے پروپیگنڈے کی حقیقت بھی سمجھ میں آرہی ہوگی اور طلاق کے نام پر عورتوں کے حقوق اور ان کی آزادی کے لیے بے چین ومضطرب ارباب اقتدار کے خلوص کی حقیقت بھی۔

دراصل ملک کی ترقی اور خوشحالی کے بلند بانگ نعرے لگانے والی بھارتیہ جنتا پارٹی ہر محاذ پر ناکام ونامراد ہے۔ بے روزگاری ہندوستانیوں کو اژدھے کی طرح اپنی خوراک بنارہی ہے۔ عام لوگ غربت وافلاس اور بد حالی کے منحوس سائے میں زندگی گزار رہے ہیں۔ معاشی اور اقتصادی محاذ پر حکومت ناکام ہے۔ اس لیے ایک شاطر وعیار کھلاڑی کی طرح ارباب حکومت عوام کی توجہ مبذول کرنے کے لیے اس طرح کے بے بنیاد اور غیر ضروری مسائل پیدا کرتے ہیں، میڈیا کے ذریعہ اسے تل کا تاڑ بنایا جاتا ہے، سادہ لوح عوام اصل بنیادی مسائل سے ہٹ کر ان بھول بھلیوں میں گم ہوجاتے ہیں۔ لیکن یاد رکھئے وقت اور تاریخ سب سے بڑا محاسب ہے وہ بہت باریک بینی سے حالات کا جائزہ لیتے ہوئے آپ کی ناکامیوں اور نامرادیوں کی تاریخ مرتب کررہی ہے۔

□□□

مجلس شرعی کا فقہی سیمنار اور

علامہ محمد احمد مصباحی صاحب کا خطبہ صدارت

ایک مطالعہ

طارق انور مصباحی: مدیر پیغام شریعت دہلی

خیر الاذکیا حضرت علامہ محمد احمد مصباحی مدظلہ العالی جماعت اہل سنت کے ممتاز عالم دین، ہزاروں مستند علما کے استاذ، الجامعۃ الاشرفیہ کے سابق شیخ الجامعہ اور تاحال ناظم تعلیمات ہیں۔ آپ کی تدریسی تصنیفی خدمات کا دائرہ بہت وسیع و وقیع ہے اور رضویات پہ تحقیق وترجمہ وتصنیف اس پر مستزاد۔ جماعت اہل سنت کے ممتاز علما میں صف اول کے مسند نشیں ہیں۔ آپ نے مجلس شرعی کے چوبیسویں فقہی سیمنار میں جو خطبہ صدارت پیش کیا وہ منٹوں میں پورے ملک میں گشت کر گیا اور جس نے بھی سنا یا پڑھا اسے یہ احساس ہوا کہ حضرت مصباحی صاحب نے ملت کی دکھتی رگ پہ ہاتھ رکھ دیا ہے۔ جماعت میں تخریب انتشار اور تفریق پیدا کرنے والے افراد کو سامنے رکھ کر آپ نے چند صفحات میں جو کچھ بھی لکھا ہے وہ ان کے لئے درس عبرت ہے جو ان جرائم کے شکار ہیں۔

یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ حضرت مصباحی صاحب قبلہ کی تحریر پڑھنے سے ہر قاری کا ذہن سیدھے اس عہد کی متنازع ''خانقاہ سراواں الہ آباد'' کی طرف پہنچتی ہے کہ یہی نام نہاد خانقاہ ابھی ان جرائم کی آماجگاہ اور مجرموں کی پناہ گاہ ہے۔ حضرت مصباحی صاحب نے اس خطبہ صدارت میں تمہید کے بعد جس سانحہ کا ذکر کیا ہے وہ اسی خانقاہ کے وابستگان کی مذموم کارستانیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں صحیح سوچ اور مثبت فکر عطا فرمائے اگر یہ افراد اب بھی اپنے کئے پہ نادم اور منافقانہ عزائم سے باز نہیں آئے، تو ملک کے ہر فرد پہ یہ روشن ہو جائے گا کہ یہ لوگ اپنے استاذ کے باغی، اپنے مادر علمی کے احسان فراموش اور جماعت اہل سنت کے مار آستین ہیں۔ مولانا طارق انور نے اس تحریر کو مختصر تبصرہ اور ذیلی سرخیوں سے آراستہ کر دیا ہے تاکہ مضمون کی افادیت مسلم اور اس کی تفہیم آسان ہو جائے جس کے لئے وہ مبارک باد کے مستحق ہیں۔ ادارہ

9,8,7 نومبر ۲۰۱۷ء کو الجامعۃ الاشرفیہ (مبارک پور، اعظم گڈھ :یوپی) کی مجلس شرعی کا چوبیسواں فقہی سیمنار منعقد ہوا۔ استاذ عالی المرتب صدر العلما حضرت علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ الاقدس: ناظم تعلیمات جامعہ اشرفیہ (مبارک پور) نے تحریری خطبہ صدارت پیش فرمایا۔ یہ خطبہ ایک مثالی خطبہ بن گیا۔ علمائے کرام اور ارباب علم ودانش نے اسے بہت سراہا۔ یہ خطبہ اس منزل میں ہے کہ ارباب علم وفضل اس جانب متوجہ ہوں، اور اس میں پیش کردہ پیغام پر غور وخوض کیا جائے۔

میں ایک عظیم محقق ومدقق، قومی درد سے لبریز ایک عظیم مفکر اور ایک عبقری شخصیت کی تحریر پر کیا تبصرہ لکھ سکتا ہوں۔ فقہی سیمنار کا خطبہ صدارت تھا، استاذ گرامی نے قوم وملت کے جن امور کو اہم خیال فرمایا، اس جانب اہل مجلس کو توجہ دلا کر یہ یاد دلانے کی کوشش فرمائی ہے کہ فقہی مسائل کے علاوہ قوم مسلم کے مزید بہت سے مسائل ہیں، جنہیں

فراموش کیا جارہا ہے، یا اس جانب ہماری توجہ نہیں ہو پارہی ہے۔ استاذ ممدوح نے ان مسائل کی طرف توجہ مبذول کرنے کی سعی فرمائی ہے۔

ممدوح گرامی نے ان چند سطور میں اہل مغرب کی کارستانیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ یہود ونصاریٰ نصاریٰ اور مستشرقین اسلام و مسلمین سے متعلق ہمیشہ سازشوں میں مصروف رہتے ہیں اور قوم مسلم کے درمیان ہمیشہ مختلف قسم کے فتنوں کو جگانے کی تاک میں لگے رہتے ہیں۔ وہ مسلمانوں میں اعتقادی، معاشرتی، سماجی واقتصادی یعنی اسلام و مسلمین سے متعلق ہر شعبے میں فتنہ پردازی کو نوع بہ نوع رنگ وروپ میں پیش کرتے رہتے ہیں۔

اگر اکابرین قوم وملت علمی وفقہی مسائل کے علاوہ دیگر قومی وملی مسائل کی جانب بھی متوجہ ہوجاتے ہیں تو ان شاء اللہ تعالیٰ جلد ہی ان مشکلات کے حل کی کوئی سبیل بھی نکل آئے گی۔ علمائے کرام کا دائرۂ عمل وسعت اختیار کرلے گا اور قومی فلاح وبہبود کی راہیں ہموار ہوسکیں گی۔ میں نے ماہنامہ پیغام شریعت (دہلی) میں قومی مسائل اور تعلیمی مسائل کے سلسلہ وار مضامین میں بھی متعدد امور کی نشان دہی کی ہے۔ صائب الرائے مفکرین اور باشعور دانشوران کے ایسے افکار ونظریات ہماری منصوبہ بند تحریروں کو قوت فراہم کرتے ہیں۔

استاذ ممدوح نے اسی خطبہ میں امام احمد رضا قادری کی تعلیمات کو خراج عقیدت بھی پیش کیا اور عہد حاضر کی بعض بے راہ روی کو بھی انتہائی دلکش اسلوب میں پیش کرتے ہوئے رقم فرمایا کہ ان امور کے پس پردہ منظم اور مضبوط تحریکیں کام کررہی ہیں۔ ماضی قریب میں علمائے کرام نے بعض سازشوں کو نیست ونابود فرمادیا تو اب طور طریقہ اور انداز بدل کر تخریب کاری کی جارہی ہے۔

خطبہ صدارت کے اقتباسات حالات حاضرہ کی مکمل عکاسی کرتے ہیں۔ یقیناً اہل سنت وجماعت کے متعدد افراد واشخاص افراط وتفریط کے شکار ہیں۔ تحقیق کے وقت ان میں سے بعض پر شرعی احکام بھی وارد ہوسکتے ہیں۔ جب تک وہ سب باحیات ہیں، ان تمام کے لیے ہدایت کی دعا کی جاسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو مذہب اہل سنت وجماعت پر استقامت عطا فرمائے: آمین

سلمان رشدی، تسلیمہ نسرین، ہندوستانی تنظیم: فیورک (FUREC)، عمان اعلامیہ، اور اسی نوع کے افراد، تنظیمیں اور افکار ونظریات ان اقتباسات کے حصار میں تڑپتے نظر آتے ہیں۔ یہ خطبہ دراصل ایک متن ہے، جو طویل تشریحات کا متقاضی ہے۔

خطبہ صدارات میں استاذ گرامی نے مسئلہ تکفیر سے متعلق حال واحوال کو رقم فرمایا، نیز فرمایا کہ عالمی پیمانہ پر امت مسلمہ کو شکست وریخت سے دوچار کرنے کی زبردست کوششیں ہورہی ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں بہت سارے مقابلوں کے لیے تیار رہنا ہوگا، اور علما ودانشوران کی حالت ایسی ہے کہ وہ کچھ سننا نہیں چاہتے، عملی اقدام تو بہت دور کی بات ہے۔ چند افراد کام کرنے والے ہیں، ان کے سر پر کتنی ذمہ داریاں ڈالی جاسکتی ہیں۔ باستثنائے چند ہر کوئی شخصیت سازی کے لیے کوشاں اور ذاتی مفادات کے لیے بھاگ دوڑ میں مصروف ہے۔ اللہ تعالیٰ مذہب اسلام اور اہل اسلام کی حفاظت فرمائے: آمین بحرمۃ سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین

چونکہ مکمل خطبہ اہم ہے۔ اس لیے اول وآخر کے بعض حصوں کے علاوہ مکمل خطبہ نذر قارئین ہے۔ خطبہ کے اہم حصوں کی عنوان بندی کردی گئی ہے۔ جس ترتیب سے یہاں خطبہ منقول ہے، وہی ترتیب اصل خطبہ میں بھی ہے۔ ذیلی عناوین کو حذف کردیا جائے تو یہ خطبہ کا سلسلہ وار حصہ ہے۔ ذیلی عناوین سے مفہوم سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے، اسی لیے ہم نے اہم حصوں کی عنوان بندی کردی ہے۔

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

اہل مغرب اور تجارتی تصور

''دراصل مغربی تاجرین کو کسی طریقہ تجارت کے جواز وعدم جواز سے کوئی سروکار نہیں ہوتا، صرف عاجلانہ منفعت اور کثیر مالی فوائد پر ان کی نظر رہتی ہے۔ اسی بنیاد پر وہ کوئی بھی طریقہ ایجاد کرتے ہیں اور اسے اس قدر عام کرتے ہیں اور اتنا دل کش بناتے ہیں کہ پوری دنیا اس میں گرفتار ہوجاتی ہے، پھر جب وہ طریقے علمائے شریعت کے سامنے آتے ہیں تو انھیں سخت مشکلات سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ جواز کا حکم دیں تو اس کے لیے کوئی واضح اور ٹھوس بنیاد ہونی ضروری ہے، اور اگر حکم جواز کی کوئی صورت نہیں نکلتی تو ایک دل کش اور منفعت بخش معصیت کی دلدل سے قوم کو باہر نکالنا بڑا زبردست چیلنج ہوتا ہے''۔ (خطبہ صدارت نومبر ۲۰۱۷ء ص ۱)

اہل مغرب کی اسلام دشمنی

''حضرات! اہل مغرب کی کارستانیاں اتنے ہی پر بس نہیں، ان کا اقتصادی حلقہ اگر ایک طرف تجارتی میدان میں نت نئی منفعتی اختراعات سامنے لاتا ہے تو دوسری طرف ان کا اعتقادی اور سیاسی طبقہ طرح طرح سے مسلمانوں کو شکوک وشبہات میں مبتلا کرنے اور انہیں نئے نئے حربوں کے ذریعہ اسلام سے دور کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

حرکت استشراق اور مستشرقین کا وجود اسی فکر کے تحت عمل میں آیا، جس کا تعاقب مسلم اہل قلم نے کیا اور ان کی خیانتوں کا پردہ اچھی طرح چاک کیا، اس سے گھبرا کر مغربی دماغ نے مال ودولت کے ذریعہ اچھے اچھے فتنہ خیز دماغوں کی خریداری کی تدبیر سوچی، اور ایسی تنظیموں کو وجود بخشا، جن سے وابستہ ہونے والے افراد کو دل کش انعامات سے نوازا جاتا ہے۔ دنیا بھر میں ان کی عبقریت کا اعلان کیا جاتا ہے۔ انھیں دلکش منصوبے بنا کر سرگرم عمل کیا جاتا ہے، اور ان پر مال ودولت کی برسات کی جاتی ہے۔ شرط یہ ہے کہ وہ تنظیم کے سانچے میں ڈھل کر اطاعت وفرماں برداری کو اس کی آخری حد تک پہنچائیں۔ رب تعالیٰ کی بندگی اور مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثنا کی غلامی سے زیادہ انھیں تنظیم کی غلامی وبندگی عزیز ہو۔ اس کی کافرانہ دفعات سے ظاہراً وباطناً کسی طرح سرمو انحراف گوارا نہ ہو''۔ (خطبہ صدارت نومبر ۲۰۱۷ء ص ۲)

نیا فارمولا: کسی کی تکفیر جائز نہیں

''ایسی تنظیمیں وجود میں آچکی ہیں، جن کا فارمولا یہ ہے کہ یہودی، نصرانی، قادیانی، ہندو، سکھ، بدھشٹ وغیرہ سب اہل جنت ہیں۔ انسانوں کے کسی طبقے کو بھی کافر کہنے کی اجازت نہیں۔ شاتمان خدا ورسول اور اسلام کے بنیادی اصول ومبادی کو توڑنے والوں کی بھی تکفیر جائز نہیں۔ جو اس فارمولے کا پابند ہے، اسی کے لیے تنظیم کے خزانوں کا دہانہ کھلا ہوا ہے، اور جو اس سے منحرف ہو، وہ کسی طرح کی داد ودہش کا مستحق نہیں''۔ (خطبہ صدارت نومبر ۲۰۱۷ء ص ۲)

دنیا پرستوں کا انتخاب

''یہ تنظیمیں اپنے شیطانی مقاصد کی تکمیل کے لیے ایسے افراد کا انتخاب کرتی ہیں اور خود مسلمانوں سے بھی ایسے عقلا کو خریدتی ہیں جو اپنی علمی یا سیاسی یا سماجی کارکردگی کی وجہ سے شہرت یافتہ ہوں، جن کے پیچھے حامیوں اور معتقدوں کا ایک زبردست حلقہ ہو، جو اپنی دماغی قوت، تنظیمی لیاقت اور تقریری وتحریری صلاحیت کے باعث اچھے اچھے اذہان کو متاثر کرسکتے ہوں، اور انہیں اپنے دام خوش نما کا پوری طرح اسیر بنا سکتے ہوں۔ مطمح نظر یہ ہے کہ اس طرح جب ایک شخص خرید لیا جائے گا تو اس کے ذریعہ ایک بہت بڑی جماعت تنظیم کے دامن میں آجائے گی، اور مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ خود اسلامی اصولوں کو تاراج کرنے کے لیے میدان میں اتر پڑے گا اور قدیم مسلمانوں سے علمی وفکری جنگ کے لیے وہی کافی ہوگا۔ ملت اسلامیہ ٹکڑوں میں تقسیم ہوجائے گی۔ اس کی اجتماعی قوت کے پرزے بکھر جائیں گے، اور الزام بھی تنظیم کے سر نہ آئے گا، بلکہ اس کا ذمہ دار مسلمان کہلانے والا کوئی مشہور قائد یا دانشور قرار پائے گا''۔ (خطبہ صدارت نومبر ۲۰۱۷ء ص ۲)

ایک اہم بات کی جانب اشارہ

''برصغیر پر انگریز سامراج نے اپنا پرچم نصب کیا تو مسلمانوں کی دفاعی اور اجتماعی قوت کو توڑنے اور انہیں فرقوں میں تقسیم کرنے کے لیے افراد انگریزوں اور یہودیوں سے نہیں، بلکہ مسلمان کہلانے والوں کے درمیان سے چنے، جس کا نتیجہ برٹش حکومت کے زوال کے بعد بھی ہمارے سامنے ہے، لیکن ہمارا مکار وعیار دشمن ابھی اتنی ساری تفریق پر قانع نہیں، بلکہ عالمی پیمانے پر ملت اسلامیہ کو بالکل ہی بے دست وپا اور ناتواں بنانے کے لیے مزید تدبیروں میں لگا ہوا ہے، جن کی تفصیل کی اس مختصر خطبے میں گنجائش نہیں، مگر ایک بات کی طرف اشارہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں''۔ (خطبہ صدارت نومبر ۲۰۱۷ء ص ۲)

عدم تکفیر کا نیا فتنہ

''آپ جانتے ہیں کہ ائمہ دین نے تکفیر کا حکم لگانے میں سخت احتیاط برتی ہے، مگر بدلی ہوئی یہودیت، نصرانیت اور دیگر غیر اسلامی مذاہب پر اسلام کا لیبل لگانے، یا ان کے ماننے والوں کو جنتی بتانے کی حرکت کبھی نہیں کی ہے۔ اسی طرح کسی نئی نبوت کا دعویٰ کرنے والے، یا ختم نبوت کا انکار کرنے والے، یا خدا ورسول اور اسلام کی کھلی گستاخی کرنے والوں کی تکفیر صریح سے کبھی انحراف بھی نہیں کیا ہے، مگر اب بڑے بڑے دانشورانہ انداز، داعیانہ لباس اور مغالطہ آفریں اسلوب میں عدم تکفیر کے ایک نئے فتنے کو جگانے کی سازش رچی

جارہی ہے، جس کا سرا نہ ائمہ دین سے ملتا ہے، نہ صحابہ و تابعین سے، بلکہ سراغ لگایا جاتا ہے تو اس کا سرا سرکش شیاطین اور کھلے دشمنان دین سے ملتا ہے"۔
(خطبہ صدارت نومبر ۲۰۱۷ء ص ۲، ۳)

فروعی عقائد میں اختلاف پیدا کرنا

"پھر کچھ فروعی عقائد اور مسائل کو چھیڑنے کی بھی کوشش ہو رہی ہے، جن میں سے بعض کفر تک نہیں تو ضلال تک ضرور پہنچتے ہیں، اور بعض اس سے فروتر ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ جمہور مسلمین جن فرعی عقائد و مسائل میں متحد نظر آرہے ہیں، ان میں بھی رخنہ اندازی کر کے کسی طرح انتشار وافتراق کا دائرہ وسیع سے وسیع تر کیا جائے، اور اپنی قابلیت کا لوہا بھی منوایا جائے۔ اسی طرح اگر چھوٹے فتنے مسلمانوں میں باریاب ہو جاتے ہیں تو کسی دن بڑا فتنہ بھی اپنی جگہ بنالے گا، اور دشمن کا خواب کسی طرح شرمندۂ تعبیر ہو سکے گا"۔ (خطبہ صدارت نومبر ۲۰۱۷ء ص ۳)

امام احمد رضا کی مخالفت کا راز کیا ہے؟

"ماضی قریب میں امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہ (۱۲۷۲ھ-۱۳۴۰ھ) نے اصول دین اور حدود تکفیر و عدم تکفیر کو اپنی تحریروں میں اچھی طرح واضح و مبرہن کر دیا ہے، اور ایک زمانے سے ان کے علم و تحقیق کا سکہ رواں ہے۔ ان کا اخلاص و تقویٰ، عشق خدا و رسول، محبت اسلام و مسلمین اور علمی و قلمی دیانت و امانت کا سونا بھی جانچا پرکھا ہوا ہے۔ ان کی امامت و پیشوائی مسلم ہے، اس لیے آج ان کے فتوائے تکفیر کو بھی خاص طور سے نشانہ بنایا جارہا ہے، اور ان کی امامت و دیانت پر بھی ہرزہ سرائی کی جارہی ہے، تاکہ اپنے باطل افکار کو امت میں اعتبار دے سکیں ۔ اور کہیں ان کی عبارتوں کی غلط تعبیر و تشریح یا بے جا استعمال کی بھی کوشش ہو رہی ہے، تاکہ ان کا نام لے کر اپنے خود ساختہ فتنوں کو فروغ دے سکیں: والعیاذ باللہ تعالیٰ"۔ (خطبہ صدارت نومبر ۲۰۱۷ ص ۳)

علما کو ہر قسم کے فتنوں کے مقابلہ کی ترغیب

"حضرات علمائے کرام! آپ کے ہاتھوں میں کشتی ملت کی نگہبانی ہے، اس لیے ہر طرح کے فتنوں سے ہمہ دم ہوشیار رہنے اور ان سے اپنی قوم کو بچانے کی بے دریغ کوشش آپ پر فرض ہے۔ فتنے ہماری اولاد میں اپنی جگہ بنا رہے ہیں۔ ہمارے مدارس کی چہار دیواریاں محفوظ نہیں۔ ہمارے گھروں کے بند کمروں میں لگے بستر ہلاکت خیز ہتھیاروں کی زد میں ہیں۔ ذرائع ابلاغ کی فراوانی نے ہر طرح کا حصار توڑ رکھا ہے۔ اب آپ کو تنہائیوں میں اور یک جا ہو کر مخصوص نشستوں میں سیلاب بلا پر بند باندھنے کی ہر ممکن تدبیر کرنی ہے، اور اپنی سعی محکم سے فتنوں کا سینہ چاک کرنا ہے، تاکہ آپ اپنے فرض سے سبک دوش بھی ہوں اور امت کو تحفظ بھی نصیب ہو۔ السعی منا والاتمام من اللہ"۔
(خطبہ صدارت نومبر ۲۰۱۷ء ص ۳)

معاملات کو جلد حل کرنے کے لیے فتنوں کا ذکر

"حضرات! فی الحال ہم سیمینار کے مقررہ سوالات حل کرنے کے لیے جمع ہوئے ہیں، اور فوری طور پر ہمیں انہی کی طرف توجہ دینی ہے، مگر میں نے مذکورہ فتنوں کا ذکر مؤخر کرنا مناسب نہ سمجھا، تاکہ آپ غور کریں، مؤثر تدابیر کی فکر کریں، اور جلد ہی کوئی لائحہ عمل تیار کر کے مقابلے کے لیے مردانہ وار تیار ہوں۔ واللہ متم نورہ ولو کرہ الکفرون"۔ (خطبہ صدارت نومبر ۲۰۱۷ء ص ۳)

مرقومہ بالا اقتباسات میں جن امور کی نشاندہی کی گئی ہے، کئی سالوں تک مختلف قسم کے افراد کام کریں، تب ہی کامیابی کی امید ہے۔ افسوس اس بات کا ہے کہ اب عملی کردار کے حاملین انگلیوں میں شمار کے قابل بچ رہے ہیں، وہ کیا کیا کریں۔ عہد موجود میں اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ مفکرین اپنی فکری توانائیوں کو بروئے کار لا کر قوم کی ایسی رہنمائی کریں کہ وہ آمادۂ عمل ہو جائے۔ سوتوں کو جگانے کا کارنامہ کون انجام دے گا؟ مردہ دلوں میں روح کون پھونکے گا؟ ڈوبتی ہوئی کشتی ملت کی جانب ناخداؤں کو کون متوجہ کرے گا؟

ہر عہد میں یہ کارنامے اصحاب فکر و فن و دانشوران قوم و ملت نے انجام دیا ہے۔ آج بھی ایسے بلند فکر دانشوروں کو ہم ترس رہے ہیں جو قوم میں عمل کی روح پھونک سکے۔ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ ایک کانشی رام نے ہزاروں سال سے سوئی ہوئی دلت قوم کو جگا دیا، حالانکہ ان میں تعلیم یافتگان کی تعداد بھی بہت کم تھی، پھر مسلمانوں کو جگانا کیونکر ناممکن ہو سکتا ہے۔ ہم نے قوت فکر و عمل کو منجمد کر دیا، پس زوال و ادبار ہمارے استقبال کو آگے آئے۔

قوت فکر و عمل پہلے فنا ہوتی ہے
پھر کسی قوم کی شوکت پہ زوال آتا ہے

□□□

طلاق کے خلاف بل: ذمیدار کون؟

پرویز عالم انچارج قومی تنظیم لکھنؤ ایڈیشن

آج سے 25 سال قبل 6 دسمبر کو سیکولر ہندوستان کی ایک بڑی اقلیت آبادی کی قدیم تاریخی عبادت گاہ فرقہ پرست طاقتوں نے منہدم کر کے ملک کی گنگا جمنی تہذیب کو منھ چڑھایا تھا، ہندوستان جنت نشان کے جمہوری دستور و آئین کی کھلے عام دھجیاں اُڑائیں تھیں، قانون کی بالادستی کا مذاق اُڑایا تھا 25 سال کے بعد آج پھر اس ملک کے پارلیامنٹ اور دستور ساز ادارے میں جمہوری دستور کا مذاق اُڑایا گیا ہے، مسلمانوں کی مرضی کے خلاف تین طلاق کو جرم قرار دینے کا بل پاس کر کے ملک کے دستور و آئین کا خون بہایا گیا۔

اس وقت ملک میں بھارتیہ جنتا پارٹی کی حکومت ہے۔ ملک کی تقدیر کی وہ بلا شرکت غیر مالک ہے۔ سیاہ و سفید اسی کے چشم ابرو کے اشاروں کا نام ہے۔ یہ بل اس کی جانب سے پیش ہوا اور صبح سے جاری کشمکش کے دوران آخرش یہ مخالف بل لوک سبھا میں پاس ہو گیا۔ بر سر اقتدار جماعت نے جو کچھ بھی کیا اس پہ ہمیں حیرت نہیں، مسلم دشمنی اس کے خمیر کا حصہ ہے، مسلمانوں کے خلاف اگر کچھ اس طرح کا اقدام کرتی ہے تو اس میں تعجب اور حیرت کی بات نہیں۔ گلہ اور شکوہ تو ان جماعتوں سے ہے جس کے قائدین سیکولرزم پر 80 میل فی گھنٹہ کی کی رفتار سے بولتے ہیں اور بے تکان بولتے ہیں، جن کا اوڑھنا بچھونا ہی سیکولرزم ہے، جو اس نام پر سیاسی روٹی سیکنے میں مصروف عمل رہنے کو ہی قوم کی بڑی خدمت تصور کرتے ہیں۔ ملک کی بڑی، قدیم سیکولر جماعت جو رواداری اور بھائی چارگی کے پرجوش نعرے لگاتی ہے۔ ہندوستان کی گنگا جمنی تہذیب پر گفتگو کرتی ہے اسے بھی جیسے سانپ سونگھ گیا ہو۔ کسی نے بھی اس بل کے خلاف ووٹنگ نہیں کی۔ حیرت اور بالائے حیرت تو یہ ہے کہ کلاہ برداران شریعت، اسلام کے نام نہاد ٹھیکے دار مولانا حضرات جو مسلمانوں کے حقوق کی جنگ لڑنے میں ماہر سمجھے جاتے ہیں جو قوم مسلم کی قیادت کا پرچم لہرا رہے ہیں، جو پارلیامنٹ میں مسلمانوں کی نمائندگی کا فرض ادا کر رہے ہیں۔ جو ایوان سے باہر مسلمانوں کے دکھ درد اور ان کی مظلومیت کی داستان بیان کر کے مگرمچھ کے آنسو بہاتے ہیں، بھولی بھالی سادہ لوح قوم کے قیمتی ووٹوں کو اپنی ترقی کا زینہ بنا کر لوک سبھا کی ممبری حاصل کر کے عیش و عشرت بھری زندگی گذارتے ہیں۔ انہوں نے بھی اس اسلام مخالف بل کے خلاف ووٹ دینا مصلحت کے خلاف تصور کیا اس موڑ پر یہ بات بھی روشن ہو گئی کہ جو مسلم رہنما مسلم قیادت کا سر پر تاج سجا کر پارلیامنٹ میں بیٹھتے ہیں در اصل وہ ایک ڈھونگ ہوتا ہے۔ قوم کی آنکھوں میں دھول جھونکتے ہیں۔ وہ در اصل جس سیاسی جماعت سے وابستہ ہوتے ہیں لوک سبھا میں وہ اسی کی نمائندگی کرتے ہیں۔ پارٹی سے الگ ہٹ کر ان کی کوئی سوچ نہیں، کوئی فکر نہیں، ان کے افکار و نظریات پر ان کی پارٹی کی فکر کا غلبہ رہتا ہے۔ ہم سادہ لوح نادان لوگ انہیں اپنا نمائندہ تصور کر کے ان کے لیے گلے پھاڑ پھاڑ کر نعرے لگاتے ہیں، جان کی بازی لگانے سے بھی دریغ نہیں کرتے، اپنے قیمتی ووٹ سے ان کی ساکھ کو سہارا دیتے ہیں۔

تنہا ایک شخص پارلیامنٹ کی اس جنگ میں تین طلاق کے رد میں پیش ہونے والے اس بل کے خلاف محاذ پر لڑتا رہا۔ اسدالدین اویسی نے آخر دم تک اس کے خلاف مورچہ سنبھالے رکھا۔ انہوں نے اس پر ووٹنگ بھی کرائی لیکن مصلحت وقت کے خول سے باہر نکل کر ان کی آواز میں آواز ملانے کی جرأت و ہمت کسی بھی سیاسی رہنما کو نہیں ہو سکی۔ کس قدر افسوس ناک صورت حال ہے کہ آج اس بل کے پاس ہونے پر تعمیل حکم کرنے والے زر خرید غلام کی طرح میڈیا

اسے ملا کی ہار اور عورت کی جیت کا عنوان دے رہا ہے۔

ہندوستان کا دستور و آئین جس وقت مرتب کیا جارہا تھا اس وقت کانگریس ملک کی سب سے بڑی سیاسی جماعت تھی، بلاشرکت غیر تمام اختیارات اس کے ہاتھ میں تھے، ملک کے ہر سیاہ وسفید کا فیصلہ اسی کے چشم ابرو کے اشارے پر ہوتا وہ جو کہتی وہی قانون ہوتا۔ ملک کا آئین و دستور اسی کے سرپرستی میں مرتب ہوا، اسی کی ایما پہ آئین میں اس امر کی گنجائش چھوڑ گئی تھی۔ یوں تو دستور ہند کی دفعہ 25 کے تحت ہندوستان کے ہر شہری کو بنیادی حق کے طور پر مذہبی آزادی کی ضمانت تحریر کی گئی ہے۔ لیکن اس دستور میں یونیفارم سول کوڈ (یعنی ایسا قانون جن کے تحت ہر ہندوستانی مذہبی قید و بند سے آزاد ہو) کے لیے ایک چور دروازہ بھی چھوڑ دیا گیا تھا۔ بعد میں اس چور دروازے سے قبل کانگریس کے دور اقتدار میں شاہ بانو کیس کے ذریعہ یکساں سول کوڈ کے لیے راہ ہموار کی جانے لگی۔ اس وقت ہندوستان میں مسلمانوں کی قیادت اس قدر کمزور نہیں تھی۔ ملک کے کونے کونے میں احتجاج کی ایک لہر تھی جو دوڑ رہی تھی ہر طرف احتجاجی تحریک اور مسلم پرسنل لاء میں بے جا مداخلت کے خلاف نعروں کی گونج سنائی دے رہی تھی آخرش حکومت کو یہ بل واپس لینے میں ہی خیر و عافیت محسوس ہوئی۔

بھارتیہ جنتا پارٹی آج عورتوں کے حقوق اور ان کی آزادی کے نام پر جو ڈرامہ اسٹیج کر رہی ہے اس کا تانا بانا بھی دستور ہند میں چھوڑے گئے جو اسی چور دروازے سے ملتا ہے۔ اگر اس وقت صاف ستھرے انداز میں یہ دفعہ تحریر کر دی گئی ہوتی اور یکساں سول کوڈ کا شوشہ نہیں چھوڑا گیا ہوتا تو آج یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ تعجب تو ان سفید پوش کانگریسیوں پر ہے جو سیکولرزم کے لبادے میں فسطائی طاقتوں کے آلہ کار کے طور پر کام کر رہے ہیں۔ انہوں نے اس وفادار قوم کی پیٹھ میں ہمیشہ خنجر زنی کی ہے۔ جو قوم پیدا ہوتے ہی اس کی وفاداری کے نعرے لگاتی ہے۔ جس کی پشت پہ کانگریسی کا ٹھپہ لگا ہوا ہے جو ہمیشہ کانگریس نواز رہی۔ مسلمانوں کا اس سیاسی جماعت سے رشتہ بہت قدیم اور پرانا ہے لیکن اس کی وفاداری کا صلہ ہمیشہ کانگریس نے دغابازی سے دیا ہے اور مسلمانوں کے اعتماد و اعتبار کا خون کرنے میں اس نے اس کی وفاداری، ایثار پسندی اور ع قربانیوں کا کوئی لحاظ و پاس نہیں کیا۔ آج بھی جو اسلام مخالف بل پارلیامنٹ میں پاس ہوا اس میں ہندوستان کی اس بڑی سیکولر جماعت نے در پردہ بھارتیہ جنتا پارٹی کی حمایت کی ہے۔ اگر کانگریس تین طلاق کے معاملہ میں عام مسلمانوں کی حمایت میں ہوتی اور اس تعلق سے اس کی بات صاف ستھری ہوتی تو وہ اس کے خلاف ووٹنگ کر کے اپنی تصویر صاف کر دیتی۔ لیکن اس بل کے پاس ہونے کے وقت اس کی پالیسی ڈپلیمیٹک رہی جس سے تھوڑی دیر کے لیے سادہ لوح لوگوں کو بے وقوف بنایا جاسکتا ہے کہ اس نے اس بل میں بی جے پی کی حمایت نہیں کی ہے۔ لیکن یہ سراسر دھوکہ اور فریب ہے۔ اس بل کے خلاف رائے نہ دے کر خموشی اختیار کر لینا دراصل اس بل کی در پردہ حمایت ہے۔

بھارتیہ جنتا پارٹی عورتوں کی بحالی کے نام پر جو ڈرامہ اسٹیج کر رہی ہے اور تین طلاق کا ایشو کھڑا کر کے انہیں آزادی دینے کی بات کر رہی ہے اس کا حقائق سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ دنیا میں اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے جس نے پہلی مرتبہ عورتوں کی قرار واقعی حیثیت پر مہر لگائی۔ جب تک دنیا اسلامی تعلیمات سے ناواقف تھی اس وقت تک اسے یہ بھی معلوم نہ تھا کہ عورت کی کوئی حیثیت یا کوئی شخصیت یا زندگی میں اس کا کوئی شمار ہے۔ اسلام نے اپنی تعلیمات میں عورتوں کی حیثیت مقرر کی اس طرح سماج میں اس کی اہمیت تسلیم کی گئی۔ عیسائیت کی پوری مذہبی تعلیم کا جائزہ لے لیجئے آپ کو ان میں کہیں عورتوں کا کوئی حق نظر نہ آئیگا۔ یہودی تعلیمات میں بھی عورتوں کی کوئی حیثیت نہیں، ایران کے قدیم مذہب میں بھی عورت کے لیے سماج اور معاشرے میں عزت و سربلندی کا کوئی مقام نہیں، شاستروں اور ویدوں کی تعلیمات میں بھی عورت کی نہ تو کوئی مستقل شخصیت تھی نہ مذہبی حیثیت، آج بھی کسی حصہ کی حقدار نہیں ہے۔ عرب والوں میں بھی عورت سماج کا ذلیل ترین حصہ اور ناقابل توجہ عنصر تھی۔ پوری دنیا کی مذہبی تعلیم میں عورتوں کے لئے عزت و افتخار کا کوئی مقام نہ تھا۔ اسلام نے دنیا میں بسنے والے تمام افراد کے حقوق مقرر فرمائے، ہر ایک کی سماجی حیثیت متعین کی تاکہ اس سرزمین پر کوئی بغیر حیثیت نہ رہے۔ اسلام نے معاشرے کے ہر گوشہ میں عورتوں کو شریک اور حصہ دار بنایا۔ آج اسی اسلام پر یہ الزام لگایا جارہا ہے کہ اس نے عورتوں کو ان کا جائز مقام عطا نہیں فرمایا۔ الزام واتہام کی تاریخ میں شاید اس سے بڑا الزام کسی پر نہ لگایا گیا ہو، یہ ایسا ہی ہے کہ کوئی آفتاب پہ الزام لگائے کہ اس نے روشنی تقسیم کرنے میں بخل سے کام لیا۔

بقیہ صفحہ (31) پر

(ادارہ)

نازش علم وادب مناظر اہلسنت حضرت علامہ

مفتی عبد المنان کلیمی

(صدر مجلس علمائے ہند مفتی شہر مرادآباد یوپی)

سے ایک ملاقات

مصاحبات

مناظر اہل سنت حضرت مفتی عبدالمنان کلیمی صاحب ہماری جماعت کے باوقار عالم دین، کہنہ مشق مفتی، مایہ ناز خطیب، ہزاروں تلامذہ کے مشفق ومربی استاذ، مسلک اہل سنت وجماعت کے ترجمان اور بے باک مناظر ہیں۔ اکابر کی بارگاہوں کے حاضر باش، بزرگوں کی صحبت سے عشق وعرفان کا نور کشید کرنے والے بزرگ اور جماعتی درد رکھنے والے مخلص مجاہد کی حیثیت سے اہل علم کے درمیان آپ مثالی شناخت رکھتے ہیں۔

مفتی صاحب قبلہ عمر کے اعتبار سے بزرگوں میں شمار ہوتے ہیں مگر اس کے باوجود جماعتی کاموں کے لئے ہمیشہ متحرک رہتے ہیں۔ عمر کا بیشتر حصہ مختلف درسگاہوں کی درسگاہوں کی نذر ہوا پھر اخیر میں آپ نے حضرت صدرالافاضل کے شہر مرادآباد کو ہمیشہ کے لئے اپنی جد وجہد کا مرکز بنایا اور یہاں متنوع جہات پہ اپنی خدمات کے گہرے نقوش چھوڑے۔ اسی کے ساتھ اپنے آبائی وطن سیتامڑھی میں دینی وعصری تعلیم کے لئے ایک عالیشان عمارت تعمیر کراوئی جو تعلیمی اور تعمیری اعتبار سے روز افزوں ہے۔ ان کی ان ہی خدمات کے سبب ہم نے ان سے الرضا کے انٹرویو کے لئے گزارش کی، تاکہ ان کی خدمات اثرات عزائم اور تجربات سے ہمارے قارئین آشنا ہوسکیں۔ حضرت مفتی صاحب قبلہ نے ہماری گزارش قبول کی اور ہمارے سوالات کے جوابات عنایت فرمائے۔ واضح رہے کہ مفتی صاحب قبلہ جماعت میں رخنہ پیدا کرنے والے افراد سے سخت نالاں وبرہم ہیں انٹرویو میں اس حوالہ سے ان کے جذبات وخیالات واضح انداز میں محسوس کئے جاسکتے ہیں۔

ادارہ الرضا ان کے شکریہ اور طولِ عمر وصحت وسلامتی کی دعا کے ساتھ قارئین کی خدمت میں ان کا یہ انٹرویو پیش کررہا ہے ملاحظہ کریں اور حضرت کے لئے دعا کے ساتھ الرضا کو اپنے تاثرات سے نوازیں۔ ادارہ

سوال: آپ کی شخصیت علمی حلقوں میں مشہور بھی ہے مقبول بھی، مگر زندگی کے ابتدائی احوال سے واقفیت عام نہیں ہے اس سلسلہ میں پہلی گزارش تو یہی ہے کہ اپنے خاندانی حالات، تعلیمی مراحل اور تعلیمی اداروں کے حوالوں سے کچھ ارشاد فرمائیں

جواب: خاندانی روزنامچہ کے مطابق میری اصل تاریخ پیدائش ۱۸ / فروری ۱۹۵۲ء ہے اور اسناد میں ۱۲ / جون ۱۹۵۶ء۔ خاندانی طور پر ہمیشہ ہمارا گھرانہ اور خاندان دینی اور دنیاوی اعتبار سے متمول ذی ثروت اور پورے علاقہ میں مشہور ومعروف رہا ہے۔ مذہبی ومسلکی اور سماجی وسیاسی اور دینی ودنیاوی علمی ترقی کے لحاظ سے ہر طبقہ میں ہمارے بزرگوں کا اعتبار کیا جاتا رہا ہے۔ آج سے تقریباً سو سال بیشتر ہمارے داداؤں میں جناب شرف الدین انصاری چترویدی شاستری کا نام آتا ہے جو زبان فارسی اور سنسکرت کے زبر دست عالم تھے۔ ان کے بارے میں ہمارے خاندان میں مشہور ہے کہ اجودھیا کی رانی نے ان کو اپنے بچوں کو وید اور سنسکرت پڑھانے کے لیے مدعو کیا تھا۔ خود میرے جد کریم جناب منشی محمد حسین صاحب مرحوم اپنے وقت کے مشہور منشی ودبیر تھے اور ہمارے یہاں کے دربار میں منشی کے عہدہ پر فائز تھے۔ ہمارے بزرگوں میں باضابطہ عالم دین کی حیثیت سے کسی بزرگ کا نام نہیں آتا ہے لیکن بحیثیت امام جمعہ اور عیدین اور میلاد خوانی کی حیثیت سے ہمیشہ کئی بزرگ اپنے اپنے دور میں متعارف اور اس عہدہ پر متمکن رہے ہیں۔ آخر دور میں ہمارے بزرگوں میں ایک ذات جناب محمد معین الدین صاحب انصاری کی ہے جن کا ذکر سنہرے حرفوں میں لکھے جانے کے قابل ہے۔ موصوف دوسری جنگ عظیم میں انڈیا برٹش گورنمنٹ کی جانب سے نرو لیم میکسک کی حیثیت سے تعینات تھے وہاں سے آنے

کے بعد کانگریس کے دور اقتدار میں گاؤں کے ڈاکخانہ کا آپ کو ڈاک بابو بنادیا گیا اور تاحین حیات آپ اس عہدہ پر متمکن رہے۔ رب کریم نے ان کو ایسی طویل عمری عطا فرمائی کہ انہوں نے میرے والد گرامی کو قرآن شریف ناظرہ تک پڑھایا اور راقم السطور کو بھی ابتداء میں قاعدہ بغدادی اور یسرنا القرآن کا درس دیا۔ ہمیشہ ہمارے خاندانی بزرگوں کا یہاں کے اسٹیٹ سے گہرا تعلق رہا ہے۔ ہمارے یہاں کسی کی وفات ہوتی یا کوئی بڑے بزرگ بیمار ہوتے تو ہمارے یہاں عیادت اور تعزیت کے لیے ضرور آتے۔

آخری دور کے مہنتھ رام چندر داس بڑے سیکولر اور ہندو مسلم یکجہتی کے حامل گذرے ہیں وہ ہمیشہ مسلمانوں کی دست گیری اور دلجوئی کو ہر معاملہ میں ترجیح دیتے تھے۔

شاید آپ کو معلوم ہو گا کہ آپ کے خاندانی چچا جناب عبد الشکور خاں صاحب اپنے دور کے بڑے پہلوان تھے وہ اسی آخری مہنتھ کے یہاں تعینات تھے اور وہ اکثر میرے غریب خانہ پر ڈاک بابو مرحوم سے ملاقات کے لیے اور کبھی کبھار دعوت وضیافت میں تشریف لاتے تھے۔ ہمارے بزرگوں کا ہمیشہ اکابر پوکھریرا شریف خاص طور پر فاضل بہاری حضرت علامہ مفتی عظیم الدین صاحب علیہ الرحمہ سے تعلق خاص رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت فاضل بہاری کے صاحبزادہ محبوب العلماء حضرت علامہ محبوب رضا صاحب روشن القادری علیہ الرحمہ کے راقم السطور کے چھوٹے دادا جناب زین الدین صاحب انصاری گرام سیوک کے ساتھ نہایت خاص مراسم تھے اور وہ اکثر وبیشتر میرے یہاں تشریف لاتے اور اپنے بزرگوں کی یادوں کو تازہ کرتے۔

ہمارے یہاں خانقاہ قادریہ مجیبیہ پھلواری شریف کا دار دورہ تھا لیکن جیسے ہی بہار میں سرکار مفتی اعظم ہند حضور مفسر اعظم ہند اور حضرت تاج الشریعہ کی مبارک تشریف آوری کا سلسلہ شروع ہوا تو آپے آپ خانقاہ پھلواری کا اثر مکمل ختم ہو گیا اب صرف خانوادہ اعلیٰ حضرت کا رنگ ونعرہ ہے۔ اور علم وفن کے میدان میں جامعہ منظر اسلام بریلی شریف اور الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کا چرچا ہے۔ راقم السطور کے والد گرامی استاذ الحفاظ حضرت مولانا حافظ حکیم عبد الشکور عزیزی قدس سرہٗ بن منشی محمد حسین دبیر بن جان محمد مرحوم بن نیک محمد مرحوم بن محمد علی مرحوم بن مہر علی مرحوم اپنے دور کے استاذ حافظ، عامل مرتاض اور مقبول وہر دلعزیز عالم دین کی حیثیت سے مشہور تھے۔

آپ نے حافظ ریل جناب عبد العلیم صاحب اندولوی اور ترائی نیپال کے اول عالم دین حضرت حافظ زاہد حسین صاحب قادری مجیبی کے شاگرد رشید کی حیثیت سے ملک نیپال کی مرکزی درسگاہ جامعہ قادریہ مصباح المسلمین علی پٹی میں حفظ مکمل کیا اور پھر اپنے بہنوئی اور اس علاقہ کی عظیم علمی اور روحانی شخصیت حنیف ملت حضرت علامہ مفتی محمد حنیف صاحب قادری علیہ الرحمہ خلیفہ خاص حضرت تاج الشریعہ کی معیت میں شمالی ہند کی مرکزی درسگاہ جامعہ فیض الغربا آرہ میں داخلہ لیا اور متوسطات تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد جامعہ قادریہ مصباح المسلمین علی پٹی میں بحیثیت استاذ مقرر ہوئے اور تاحین حیات اسی ادارہ میں وابستہ رہے اور جہاں آپ نے درس حفظ وتجوید اور ابتدائی فارسی وعربی کی تعلیم وتربیت کا ایسا سنہرا اور تاریخی ماحول قائم کیا کہ کشاں کشاں بہار ونیپال کے تشنگان علم آپ کی درسگاہ فیض کی طرف کھینچ کر آنے لگے اور سینکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں طالبان علوم حافظ وقاری اور مولوی بن کر یہاں سے نکلے جن میں غزالی دوراں حضرت علامہ مفتی محمد حکیم الدین رضوی شیر نیپال حضرت علامہ مفتی محمد جیش صدیقی فخر نیپال حضرت علامہ مفتی محمد اسرائیل رضوی، قاضی شریعت حضرت علامہ مفتی محمد عثمان رضوی قابل ذکر ہیں۔

اپنی یادداشت کے مطابق فقیر راقم السطور بچپن میں کافی بیمار رہتا تھا۔ اس وقت میری عمر چھ یا سات سال کی تھی کہ میرے والد گرامی علاج ومعالجہ کی غرض سے اپنے مادر علمی ''جامعہ قادریہ مصباح المسلمین'' مجھے لے آئے اور اپنے ساتھ رکھنے لگے چنانچہ یہیں میں نے اپنے والد گرامی اور حضرت غزالی دوراں اور حضرت مولانا سالک صاحب صدیقی کھجر اں سے باضابطہ کافیہ شرح جامی تک تعلیم مکمل کی۔ پھر والد گرامی کے مشورہ سے حضرت غزالی دوراں مجھے دار العلوم علیمیہ دامودر پور لیکر آئے اور یہاں میرا داخلہ کرادیا۔ ان دنوں یہاں خاتم المدرسین حضرت علامہ مفتی محمد کاظم علی مصباحی حضرت علامہ مفتی انور علی مصباحی مفتی اعظم کرناٹک حضرت علامہ عبد القادر شاکر القادری مصباحی اور حضرت علامہ محمد طاہر صاحب شمسی ٹیکٹار ممتاز ومفتخر اساتذہ ہند کی حیثیت سے جلوہ گر تھے۔ تقریباً دو سال میرا

یہاں قیام رہا۔لیکن اساتذہ کے اندرونی اختلافات کی وجہ سے میری تعلیم زبردست متاثر ہوئی۔ چنانچہ درمیان سال ۱۹۶۹ء میں میں نے اور میرے رفیق درس حضرت مولانا مفتی عبدالغفار صاحب ثاقب مفتی شہر دربھنگہ نے اپنا حال زار قلمبند کر کے جلالۃ العلم استاذ العلماء حضور حافظ ملت قدس سرہٗ العزیز کی بارگاہ قدس میں داخلہ کی درخواست بھیجی۔حضور حافظ ملت نے اپنی نگاہ باطن سے ہملوگوں کے اشتیاق حقیقی اور طلب صادق کو محسوس فرمالیا اور درمیان سال ہی میں آپ نے بلا کسی امتحان وجائزہ کے ہم سب کا بتاریخ یکم جون ۱۹۶۹ء داخلہ منظور فرمالیا۔

سوال: آپ کے مشفق اساتذہ اور قابل ذکر تلامذہ؟ کچھ ان کے بارے میں ارشاد ہو۔مزید تو دارن تدریس مختلف مقامات پہ آپ نے کیا خدمات انجام دیں؟

جواب: میں نے اساتذہ سے تعلیم حاصل کی وہ علمی اعتبار سے اپنے عہد کے آفتاب وماہتاب تھے۔ذیل میں اپنے اساتذہ اشرفیہ اوران سے پڑھی ہوئی کتابوں کی ایک اجمالی فہرست درج تحریر کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں تاکہ قارئین پر بآسانی یہ واضح ہوجائے کہ راقم السطور نے جماعت اہلسنت کے کیسے کیسے اساتذہ فن سے کیسی کیسی ادق اور مشکل ترین کتابیں پڑھنے کا شرف حاصل کیا ہے۔

۱۔ استاالعلماء حضور حافظ ملت قدس سرہٗ العزیز: شرح جامی بحث اسم، مسلم شریف

۲۔ شمس العلماء حضرت قاضی شمس الدین قدس سرہٗ، شمس بازغہ، بخاری شریف، امور عامہ، بیضای شریف۔

۳۔ بحر العلوم علامہ مفتی عبدالمنان اعظمی علیہ الرحمہ، تلخیص المفتاح، ملا جلال، میر زاہد مع غلام محیٰ، حمداللہ، نخبۃ الفکر، دیوان متنبی، المجتبیٰ، مفصل، مسلم الثبوت، صدرا۔

۴۔ جناب ظفر ادیبی صاحب: نور الانوار، حسامی، جلالین شریف، شرح ہدایۃ الحکمت، میبذی

۵۔ شیخ الادب حضرت علامہ محمد شفیع صاحب رضوی علیہ الرحمہ: شرح جامی بحث فعل، ہدایت الحکمت، شرح تہذیب، ہدایہ اولین، ازہار الادب، دیوان حماسہ، توضیح تلویح، شافیہ، قطبی تصورات، شرح عقائد، ملاحسن، مطول، مدارک شریف

۶۔ محدث کبیر حضرت علامہ مفتی ضیاء المصطفیٰ صاحب قادری مدظلہٗ العالی: ترمذی شریف، قاضی مبارک، تصریح، مسلم شریف، بیضاوی شریف، ہدایہ آخرین، طحاوی شریف۔

۷۔ خیر الاذکیا حضرت علامہ فقہی عبداللہ خانصاحب عزیزی علیہ الرحمہ: ہدایہ آخرین، بیضاوی شریف۔

۸۔ حضرت علامہ اسرار احمد خانصاحب مبارک پوری: اصول الشاشی، مشکوٰۃ شریف، ہدایۃ الحکمت، نور الانوار، شرح وقایہ اول، شرح وقایہ ثانی، قطبی تصدیقات۔

۹۔ نصیر ملت حضرت علامہ نصیر الدین صاحب عزیزی مدظلہ العالی: میر قطبی۔

ان اساتذہ فن کے حلقہ درس میں از ۱۹۶۹ء تا ۱۹۷۵ء شامل رہ کر بتاریخ ۱۹/ اگست ۱۹۷۵ء اکابر اہلسنت خاص طور پر حضور حافظ ملت اور حضور شمس العلماء کے مقدس ہاتھوں سے درجہ تحقیق (علوم اسلامیہ) اور درجہ حدیث کی سند اور دستار فضیلت سے راقم السطور مشرف کیا گیا اسی سال حضرت محدث کبیر حضور حافظ ملت کے باہمی مشورہ سے ناچیز ہیچمدان کو جامعہ شمس العلوم گھوسی لے آئے اور بحیثیت نائب صدر المدرسین اور نائب شیخ الحدیث یہاں میری تقرری فرمادی۔ چونکہ ان دنوں حضرت محدث کبیر شمس العلوم کے صدر پر قار تھے۔ میں شمس العلوم میں از ۱۹۷۵ء تا ۱۹۸۱ء قیام پزیر رہا۔ پھر میں بتاریخ یکم ستمبر ۱۹۸۱ء مدرسہ بورڈ لکھنو سے ملحقہ ادارہ جامعہ ضیاء العلوم خیر آباد میں بحیثیت صدر المدرسین وپرنسپل برسر کار رہا۔ پھر قائد اہلسنت حضرت علامہ ارشد القادری صاحب علیہ الرحمہ کے شدید اصرار پر میں دو مہینہ کے لیے جامعہ غوث الاعظم پور بندر گجرات بحیثیت مفتی وشیخ الحدیث مقرر ہوا۔ پھر تاریخ ۶/ نومبر ۱۹۸۵ء حضرت عزیز ملت مخدومنا المعظم حضرت علامہ عبدالحفیظ صاحب مدظلہٗ العالی سربراہ اعلیٰ الجامعہ الاشرفیہ مبارکپور کے حکم پر اپنے استاذ ومرشد حضور حافظ ملت کے وطن مالوف بھوجپور میں قائم "جامعہ فاروقیہ عزیز العلوم" میں درس بخاری شریف کے لیے بحیثیت شیخ الحدیث میری تقرری عمل میں آئی۔ پھر بتاریخ ۲۸/ مئی ۱۹۸۹ء عالمی تصور لے کر شہر مرادآباد کے ممتاز ومشہور ادارہ "جامعہ اکرم العلوم (قائم کردہ یادگار صدر الافاضل، اکرم العلماء

حضرت علامہ مفتی تنویر الاکرم صاحب) میں بحیثیت مہتمم و شیخ الطریقت اور مفتی شہر مراد آباد حاضر ہوا اور تادم تحریر اسی ادارہ میں اپنی زندگی کے آخری ایام گذار رہا ہوں۔

سوال: ان مدارس میں قیام کے دوران قابل ذکر خدمات؟

جواب: جی الحمدللہ! جہاں رہا کچھ نہ کچھ کیا اور کرتے رہنے میں ہی خوشی محسوس ہوئی۔ ذیل میں مختلف مراکز و مدارس میں اپنی خدمات کی جھلکیاں مختصراً پیش کرتا ہوں

جامعہ اشرفیہ کے دوران قیام:

فقیر راقم السطور طلبہ یونین کی مشہور و معروف تنظیم انجمن اہلسنت اشرفیہ دارُ المطالعہ کا سکریٹری رہا اور اشرفیہ کے دوران قیام رسائل رضویہ کی طباعت و اشاعت اور ایک جریدہ ''بصیرت'' کے نکالنے کا اہتمام کیا۔ انہیں دنوں ایک یونیورسیٹی کے لیے رقوم کی فراہمی کے لیے جو تاریخی جلوس نکلتا تھا اس کی ابتدائی تیاری ہمیشہ سکریٹری وطلبا پر ہوتی تھی، چنانچہ اپنے رفقائے کرام خاص طور پر حضرت عزیز ملت اور حضرت علامہ سید اصغر امام صاحب قادری اس فریضہ کی انجام دہی کا بھی اس ناچیز کو شرف حاصل ہے۔

جامعہ اشرفیہ کے دوران قیام ہی استاذی حضرت محدث کبیر نے اس ناچیز کو رد و مناظرہ میں مشق و ممارست سے ممتاز کیا چنانچہ میدان مناظرہ میں میری تھوڑی بہت جو بھی پہچان ہے وہ انہیں کی فیضان نظر کا صدقہ ہے۔

مدرسہ شمس العلوم گھوسی کے دوران قیام:

یہاں آ کر میں نے محدث کبیر علامہ ضیاالمصطفےٰ قادری زید مجدہ کے مخلصانہ تعاون سے حضرت صدر الشریعہ کی ہمہ گیر شخصیت اور ان کی علمی و قلمی خدمات پر موثر کام کرنے کے لئے ''دائرۃ المعارف الامجدیہ'' قائم کیا اور اس دائرہ کے زیر اہتمام حضرت صدر الشریعہ پر ان کے تلامذہ اور مشاہیر سے مضامین حاصل کئے، جس کو مدیر اشرفیہ مولانا مبارک حسین مصباحی نے ماہنامہ اشرفیہ کی جانب سے ''صدر الشریعہ نمبر'' کے عنوان سے شائع کیا۔ اسی دائرہ کے تحت میں نے ''فتاویٰ امجدیہ'' پہ زبردست کام کیا۔ ان فتاویٰ کو میں نے چار جلدوں میں مرتب کیا۔ جس کی دو جلدیں میری ہی کوششوں سے ''دائرہ المعارف الامجدیہ'' کے زیر اہتمام شائع ہوگئیں اور بقیہ دو جلدیں بعد میں شائع ہوئیں۔ قیام گھوسی ہی کے دوران رد دیوبندیت پہ ایک تاریخی کتاب بنام ''کافر کون؟'' شائع کی، جو بلاشبہہ دیوبندی تابوت میں ایک آخری کیل کی حیثیت رکھتی ہے۔ زمانہ گھوسی ہی کے دوران میں نے دائرہ المعارف الامجدیہ'' جماعت اہل سنت کا پہلا علمی دینی سیمینار منعقد کیا جو تاریخی اعتبار سے اپنی مثال آپ ہے۔ اسی قیام گھوسی کے دوران سن ۱۹۷۸ میں بجرڈیہہ بنارس میں اہل سنت وغیر مقلدین کے درمیان تاریخی مناظرہ ہوا جس کے صدر اعلیٰ حضور مجاہد ملت قدس سرہ اور مناظر استاذی محدث کبیر تھے۔ اور معاونین مناظر میں فقیر راقم الحروف بھی شامل تھا۔

جامعہ ضیا العلوم خیر آباد کے دوران:

یہاں کی کثرت مصروفیات کے باوجود میں نے یہاں ایک اشاعتی ادارہ ''روضۃ المعارف'' قائم کیا۔ اس ادارہ کے زیر اہتمام بہت سارے علمی رسالے خاص طور پر ''العذاب الشدید، المصباح الجدید، انباء الغیب، شائع کرنے کا اس ناچیز کو شرف حاصل ہوا۔ قائد انقلاب حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی کی معرکۃ الآرا تصنیف ''تحقیق الفتویٰ'' بھی شائع کرنے کا شرف حاصل کیا۔

جامعہ فاروقیہ بھوجپور کے دوران قیام:

یہاں میں نے باضابطہ سبقا سبقا درس بخاری کا آغاز کیا جس کے افتاح کے لئے میں نے حضور تاج الشریعہ علامہ شاہ اختر رضا ازہری میاں قبلہ کو مدعو کیا آپ پورے شان و شوکت کے ساتھ جامعہ فاروقیہ تشریف لائے اور اپنی زبان حق ترجمان سے بخاری شریف کی پہلی حدیث کا درس دے کر باضابطہ درس بخاری شریف کا افتتاح فرمایا، جس کی پوری تفصیل ''حیات تاج الشریعہ'' میں بھی موجو دہے۔ اسی جامعہ کے دوران قیام جب حضرت تاج الشریعہ کو ظالم وجابر سعودی حکومت نے گرفتار کیا تو فقیر راقم السطور نے مسلک اہلسنت اور حضرت تاج الشریعہ کی عظمت وسطوت اور ظالم وجابر حکومت کے خلاف زبردست مضمون لکھا، جس کو دس قسطوں میں پورے اہتمام کے ساتھ ماہنامہ ''سنی دنیا'' نے شائع کیا، جو آج بھی ایک تاریخی اور معلوماتی دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔

جامعہ اکرم العلوم شہر مراد آباد کے دوران قیام:

یہاں کے دوران قیام ۲۰۰۶ء میں سب سے پہلا سنی عالم دین کی حیثیت سے وزیر اعظم ہند نے اس ناچیز کو حج گوڈ ویل ڈیلی گیشن میں راقم السطور کو شامل کیا اور ڈپٹی منسٹر کی حیثیت سے میں نے اپنی سنی قیادت کا لوہا منوایا۔ اس ڈیلی گیشن میں ہندوستان کے چیدہ ارباب علم و دانش تھے۔

بفضلہ تعالیٰ اسی سن میں بتاریخ ۳؍دسمبر کو ''حسام الحرمین شریفین اور مسلک اعلیٰ حضرت'' کے عنوان پر میں نے ایسا عالمی فیصلہ کن مناظرہ کیا کہ بقول حضرت امین ملت مدظلہ العالی ''میں نے وہابیوں کے سارے دانت جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیئے'' اور بقول علامہ عبید اللہ خاں اعظمی ''میں نے پوری دنیا کے ہر ہر گھر میں مسلک اعلیٰ حضرت پہونچا دیا''۔ اس تاریخی مناظرہ کی عظیم الشان کامیابی پر بتاریخ ۱۱؍ستمبر ۲۰۰۶ء جملہ شہزادگان اعلیٰ حضرت کی جانب سے ''ایوان فرحت شادی ہال'' بریلی میں اس ناچیز کو استقبالیہ دیا گیا۔ اور مجھے ''شیر اعلیٰ حضرت'' کے زریں خطاب سے سرفراز کیا گیا۔ اور اکابر ہند نے مناظر اعظم ہند اور مناظر اعظم عالم کے الفاظ سے پکارا جبکہ میرے مقابلہ میں دیو بندی جماعت کے سب سے بڑے عالم مولوی انظر شاہ کشمیری تھے۔

ایک جماعتی مقصد کے تحت میرے شہر مراد آباد کے دوران قیام، علامہ ارشد القادری صاحب علیہ الرحمہ نے سرزمین دہلی پر ''آل انڈیا سنی کانفرنس'' منعقد فرمایا، تو موصوف نے اس ناچیز کو باضابطہ انتظام میں شامل فرمایا اور اس ناچیز نے مکمل طور پر حضرت علامہ کے مقاصد کی تائید کر کے اس تاریخی پروگرام کو کامیاب بنانے میں اہم رول ادا کیا اگر چہ خود اپنے ہی کچھ ناعاقبت اندیشوں کی وجہ سے حضرت علامہ کا حسین خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا، جس کا زبر دست ملال بعد میں پوری جماعت اہلسنت کو رہا۔

سوال: ان مدارس میں تدریسی خدمات کے دوران ظاہر ہے سینکڑوں تلامذہ نے اکتساب فیض کیا ہوگا کچھ ایسے حضرات کا نام بتائیں جن پر آپ کو فخر و اعتماد ہو؟

جواب: آپ نے راقم السطور سے قابل ذکر تلامذہ کے بارے میں استفسار فرمایا ہے۔ محترم! اگر میں اپنے نامور تلامذہ کی اجمالی فہرست مع مختصر تعارف پیش کروں تو اس کے لیے کئی صفحات چاہیے۔ پھر بھی آپ کے استفسار پر اپنے کچھ ایسے مخصوص تلامذہ کا نام تحریر کرتا ہوں جن پر میں فخر کرتا ہوں اور وہ یہ ہیں:

۱۔ مولانا فروغ احمد اعظمی، پرنسپل دارُ العلوم علیمیہ جمدا شاہی۔ ۲۔ مفتی عابد حسین رضوی مفتی و شیخ الحدیث فیض العلوم جمشید پور۔ ۳۔ مولانا عبد الخالق صاحب شیخ الحدیث جامعہ مرزا پور یوپی۔ ۴۔ مولانا اخلاق احمد صاحب، شہر بنارس۔ ۵۔ مولانا وصی احمد صاحب، شمس العلوم، گھوسی۔ ۶۔ مولانا ثناء المصطفےٰ صاحب، خیریہ گھوسی۔ ۷۔ مولانا مفتی جمال مصطفےٰ صاحب قادری جامعہ امجدیہ گھوسی۔ ۸۔ مولانا علاء المصطفےٰ صاحب قادری کلیۃ البنات امجدیہ، گھوسی۔ ۹۔ مولانا نعیم الدین صاحب عزیزی، جامعہ اشرفیہ مبارکپور۔ ۱۰۔ مولانا مفتی محمود خانصاحب، بنارس۔ ۱۱۔ مولانا مفتی مجاہد حسین صاحب رضوی، الہ آباد۔ ۱۲۔ مولانا نور الحق صاحب شیخ الحدیث، اندور۔ ۱۳۔ مولانا معین الحق صاحب فیضی، ممبئی۔ ۱۴۔ مولانا ڈاکٹر خواجہ اکرام الدین صاحب، دہلی۔ ۱۵۔ مولانا غلام رسول صاحب بلیاوی، ایم۔ ایل۔ سی، بہار پٹنہ۔ ۱۶۔ مولانا محمد خورشید صاحب رضوی جامعہ فاروقیہ، بھوجپور۔ ۱۷۔ مولانا محمد قاسم رضا صاحب مصباحی، اکرم العلوم، مراد آباد۔ ۱۸۔ مولانا سید محمد علی صاحب بابو خانقاہ قادریہ، گجرات۔ ۱۹۔ مولانا محدم الیاس صاحب نوری دارُ العلوم سرکار آسی سکندر پور۔ ۲۰۔ مولانا حافظ معین الدین صاحب اشرفی سنبھلی مراد آباد (یہ ان دنوں کھلے طور پر باغی اعلیٰ حضرت ہیں ان سے اب میرا کوئی تعلق نہیں ہے)۔ ۲۱۔ مولانا مفتی نجم الدین صاحب قادری، کانپور۔ ۲۲۔ مولانا مفتی علاء الدین صاحب رضوی، میرا روڈ ممبئی۔ ۲۳۔ مولانا منصور عالم مصباحی، دہلی۔

اور ان کے علاوہ وہ علماء جنہوں نے اس ناچیز سے جامعہ اشرفیہ مبارکپور کے دوران قیام اکتساب علم کیا ہے۔ ان میں ڈاکٹر غلام یحیٰ صاحب انجم اور مولانا محمد حسین ابوالحقانی، مولانا ادریس رضا صاحب پیلی بھیت و مولانا سید نور الحق صاحب رضوی جیسے سینکڑوں علمائے کرام ہیں جن پر میں فخر کرتا ہوں۔

سوال: جماعت اہل سنت میں مفتی اور متحرک شخصیت کی

حیثیت سے آپ مشہور ہیں کچھ ارشاد فرمائیں تصنیف و تالیف اور فتاویٰ کے حوالہ سے آپ کی خدمات کیا ہیں؟ کتنی کتابیں شائع ہوئیں، فتاویٰ کے کتنے قلمی مجموعے ہیں؟

جواب: گذشتہ سطور میں خادم نے اپنی تحقیق و تصنیف کے بارے میں ذکر کر دیا ہے۔ اس کے علاوہ مشاہیر علماء اور اہل قلم و دانش کی بہت ساری کتابیں ہیں، جن پر خادم کی تقریظات اور تائیدات ہیں اگر ان تقریظات و تائیدات کو یکجا کر دیا جائے تو وہ ایک کتاب کی شکل اختیار کرے گی۔

جہاں تک فتاویٰ کی بات ہے، تو میرے نظریہ میں فتاویٰ رضویہ، فتاویٰ حامدیہ، فتاویٰ امجدیہ، فتاویٰ مصطفویہ، فتاویٰ بحر العلوم، فتاویٰ شارح بخاری، فتاویٰ فیض الرسول، اور حبیب الفتاویٰ کے بعد اب کسی فتویٰ کی کتاب کی ضرورت نہیں ہے۔ ہاں جدید مسائل کے تعلق سے حالات حاضرہ کے تناظر میں جو تحقیقات و تدقیقات ہونی چاہیے، اس کو مجلس شرعی مبارکپور اور فقہی کونسل بریلی شریف کما حقہ پورا کر رہا ہے جس میں راقم السطور کسی نہ کسی طرح شریک عمل ہے۔ رہے روزمرہ مسائل کے تعلق سے جاری کردہ فتاویٰ تو بفضلہ تعالیٰ اسکا خاطر خواہ ذخیرہ قلمی شکل میں میرے پاس موجود ہے اور اس کا سلسلہ تادم تحریر جاری و ساری ہے۔

سوال: ہندوستان میں مسلمانوں کا مستقبل تاریک نظر آرہا ہے اسلام مسلمان اور ان کے آئین و تہذیب پہ حملے ہو رہے ہیں مسلم امہ ابھی مرعوبیت اور احساس شکست کے مرحلہ سے گزر رہی ہے اس مرض الموت سے نجات کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟

جواب: ڈاکٹر صاحب!

ہندوستان میں مسلمانوں کے مستقبل کے تعلق سے آپ نے جن احساسات کا ذکر کیا ہے وہ بالکل صحیح و درست ہے اس سے نجات کا واحد حل میرے نزدیک یہ ہے کہ نہایت جذبہ و خلوص کے ساتھ اہل قد و دانش اور لیڈران قوم اور علمائے ملت اسلامیہ ایک جگہ جمع ہوں اور سب کو جوڑ کر اس مرض الموت سے نجات کا حل تلاش کریں اور اس کے لیے یہ نہایت ضروری ہے کہ پوری قوم اپنی اپنی سیاسی پارٹی کی غلامی ترک کر دیں اور علماء منفی پہلو کے ساتھ مثبت پہلو پر بھی اپنی نظر رکھیں اگر ایسا نہیں ہوتا ہے تو بس آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا کیا۔

سوال: جماعت اہل سنت میں ابھی اجتماعی طور پر کام کرنے کا جذبہ مفقود ہے یہی وجہ ہے کہ مخالفین کے یہاں ''مسلم پرسنل بورڈ'' اور ''جمیعۃ العلماء ہند'' نام کی تنظیمیں ہیں مگر اپنے یہاں اس حوالہ سے ابھی مکمل خاموشی ہے، مسلم پرسنل لا کانفرنس اور مسلم متحدہ محاذ'' جیسی باثر ملی اور مذہبی تنظیم کی تاریخ رکھنے کے باوجود سرد مہری کا شکار ہونا یقینا المیہ ہے، بہار میں ابھی ایسی بہت سی شخصیات موجود ہیں جو ان تنظیموں کو پھر سے متحرک کرنا چاہیں تو کر سکتی ہیں آپ کی طرف بھی اس تعلق سے نگاہیں اٹھتی ہیں اس سلسلہ میں آپ کیا کہنا چاہیں گے؟

ڈاکٹر صاحب!

آپ نے اجتماعی طور پر کام کرنے سے متعلق استفسار فرمایا ہے۔ آپ کا یہ استفسار نہایت صحیح اور درست اور وقت کا اہم تقاضہ ہے۔ لیکن یہ پہلو بھی نہایت قابل غور ہے کہ آج ہماری جماعت کے اندر اجتماعیت ہی نہیں ہے تو بھلا وہ جماعت اجتماعی طور پر کام کرنے کے لیے کیا پالیسی اپنائے گی۔ بلا شبہ اس وقت ہماری جماعت سخت طوائف الملوکی کی شکار ہے۔ ہر شخص اپنے اپنے معاملات میں مست ہے اب ایسے عالم میں کوئی مشورہ میں کیا دوں؟ ہم اور آپ تو جماعت کے والنٹیر اور جھنڈا بردار ہیں یہ ساری ذمہ داری مرکز اور مرکزی شخصیات کی ہیں۔ انہیں اس طرف متوجہ ہونا چاہئے۔

ڈاکٹر صاحب!

اپ اجتماعیت کی بات کرتے ہیں اس وقت تو خود اجتماعیت کا شیرازہ بری طرح بکھر چکا ہے۔ اس کا ملزم اور مجرم کون ہے اس کو پکڑ نے اور بیچ چورا ہے پر اس کو بے نقاب کرنے کی ضرورت ہے۔ اس وقت ہر شخص اجتماعیت اور اپنے کو قائد اعظم اور اپنی ہر تحریر کو حرف آخر کی حیثیت دینے میں لگا ہوا ہے۔ آج ہماری جماعت میں جوڑ نے کی کم، کاٹنے کی کوشش زیادہ ہے۔ جب کہ ہونا یہ چاہیے تھا کہ جماعت اہلسنت کی مرکزی شخصیات ایک جگہ بیٹھتیں، سب کو اپنی بات سمجھنے کا حق دیتی، پھر اتمام حجت قائم کیا جاتا اس کے بعد اپنے مرکزی فیصلے سے جماعت کو مطلع کیا جاتا۔ آج بھی ایسا کر لیا جائے بلکہ کرنا ضروری ہے تاکہ حالات پہ قابو پایا جا سکے۔

رہی تنظیم کی بات تو ماشاء اللہ ہماری جماعت کے پاس تنظیم کی کوئی کمی نہیں ہے۔ ہر پیر اور ہر مفتی اور ہر مقرر ایک تنظیم لیے ہوئے

ہے۔ جب میں نے انہیں احساسات کے پیش نظر بتاریخ ۱۹؍جولائی ۲۰۰۵ء مجلس علمائے ہند قائم کیا تو چند ہی سالوں میں اس تنظیم نے اپنا ایسا مقام پیدا کیا کہ جناب شاہد صدیقی صاحب جیسے جرنلسٹ اپنے ہفتہ وار آرگن ''نئی دنیا'' میں کوئی ملی سیاسی اور سماجی موضوع اُٹھاتے تو ایک طرف جمیعۃ علمائے ہند کا ذکر ہوتا تو دوسری طرف مجلس علمائے ہند کا نام آتا۔ خود انڈیا گورنمنٹ اس سنی تنظیم ''مجلس علماء ے ہند'' سے اس قدر مرعوب اور متاثر ہوئی کہ ۲۰۰۶ء میں پہلی بار مجلس علمائے ہند کے سنی سربراہ کی حیثیت سے مجھے حج گوڈویل ڈیلی گیشن میں بھیجا، اور دوسری جانب دیوبندی سربراہ کی حیثیت سے مولانا انظر شاہ کشمیری کو اس ڈیلی گیشن میں شامل کیا گیا اور بتاریخ ۱۹؍جون ۱۹۹۵ء میرا اور میرے سکریٹری جنرل علامہ اشرف قادری رضوی صاحب کا جالندھر سنٹرل جیل کا سرکاری دورہ کرایا گیا جس پر گورنمنٹ کا لاکھوں روپیہ خرچ ہوا۔

مجلس علمائے ہند کے دوران قیام جب میں نے قائد اہلسنت حضرت علامہ مولانا ارشد القادری صاحب علیہ الرحمہ اور ۱۹۹۲ء میں دورہ پاکستان کے موقعہ پر مخدومی سلطان المفسرین والمحدثین حضرت علامہ عبدالمصطفےٰ صاحب ازہری امجدی قدس سرہٗ سے جماعت اہلسنت ہند کی متحرک وفعال تنظیم وتحریک سے متعلق تبادلہ کیا، توان دونوں بزرگوں نے ہندوستان میں جماعت اہلسنت کی تنظیم وتحریک سے متعلق اپنا ایسا تلخ تجربہ اور نظریہ پیش فرمایا کہ اگر میں ان کے احساسات کو صفحہ قرطاس پر لے آؤں تو جماعت اہلسنت میں آگ لگ جائے گی۔ جب کہ جماعتی تصادم میں ہمیشہ میرا یہ رول رہا ہے کہ میں فریق نہ بنوں بلکہ ایک ثالث کی حیثیت سے اپنی رائے دوں۔

ڈاکٹر صاحب!

حضرت قبلہ علامہ عبدالمصطفےٰ صاحب ازہری قدس سرہٗ العزیز کے افادات کی روشنی میں جماعت اہلسنت کی طوائف الملوکی کے انسداد کا میرے نزدیک صرف یہ حل ہے کہ:

۱۔ آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس کی پاس شدہ تجاویز کی روشنی میں موجودہ تقاضوں کے سامنے رکھتے ہوئے سب سے پہلے جماعت اہلسنت کی داخلی وخارجی پالیسی وضع کی جائے؟

۲۔ جماعت کے ہر معاملہ میں صرف منفی ہی نہیں بلکہ مثبت پہلو پر بھی نظر رکھی جائے؟

۳۔ سابقہ روایات کے مطابق اکابر اہلسنت ایک ساتھ بیٹھ جائیں۔

۴۔ تمام خود غرضوں اور کاسہ لیسوں کو جماعتی امور میں ان کی تقریر وتحریر پر پابندی عائد کردی جائے۔

۵۔ جماعت کے حساس ونازک اور میں پہلے مکمل طور پر اتمام حجت کرلیا جائے۔

۶۔ جماعتی امور کی انجام دہی کے لیے تقسیم کار کرلیا جائے اور ہر ایک کے لیے ذیلی کمیٹی بنادی جائے۔

۷۔ علامہ ازہری صاحب قدس سرہٗ کے ارشادات کے مطابق جماعتی مقاصد کو دو حصوں میں تقسیم کردیا جائے۔ اور ہر دونوں پلیٹ فارم کے لیے علیحدہ علیحدہ سربراہ مقرر کردیا جائے جیسا کہ پاکستان میں سیاسی سماجی اور عائلی امور کے لیے جمیعۃ علمائے پاکستان قائم کی گئی جس کے سربراہ علامہ نورانی صاحب تھے اور مذہبی ومسلکی امور کے لیے جماعت اہلسنت بنائی گئی جس کے سربراہ حضرت غزالی دوراں علامہ سعید احمد کاظمی قدس سرہ تھے۔

سوال: کچھ دنوں قبل تک اکثر کالج میں رضویات پر کام ہونے کی خبریں پڑھنے کو ملتی تھیں اب کسی کی نظر لگ گئی، خبریں آنی بند ہوگئیں، کام بھی بند نہیں تو کم ضرور ہوگیا ہوگا، ورنہ خبریں ضرور آتیں، کہنے کا حاصل یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت پہ جو کام ہونا تھا وہ جماعت پہ اب بھی قرض ہے، اس قرض کو کیسے ادا کیا جائے، اعلیٰ حضرت داخلی اور خارجی دونوں سطح پر جماعتی شناخت ہیں ان پر مختلف جہات سے کام ہونے کا مطلب ہے جماعتی کام ہورہا ہے، واضح رہے اس سے میری مراد جماعت کے دیگر افراد کی خدمات کو فراموش کرنا نہیں بلکہ منظم لائحہ عمل کے ساتھ ہر موضوع پہ کام کرنے کا ہے کیوں کہ رضویات کی وسعت میں یہ سارے موضوعات سمٹے ہوئے ہیں، مگر ''امام اہل سنت'' ہونے کے اعتبار سے اعلیٰ پہ حضرت پر ہر جہت سے کام ہونا ضروری تھا اور ہے، ہمارے بزرگوں نے کیا بھی یہی ہے، نئے حالات میں بڑی فکری تبدیلیاں آئی ہیں جو بزرگوں کی سوچ سے میل نہیں کھاتیں آپ اس تعلق سے کیا فرماتے ہیں؟

جواب: بفضلہ تعالیٰ رضویات پر بہت کام ہوچکا ہے، اور

ابھی بہت کام کرنا باقی ہے۔ اہل علم لگے ہیں آپ بھی کوشاں ہیں چند تنظیمیں آج اسی کام کے لئے وقف ہیں ہاں! کالج میں کام رفتار میں تھوڑی کمی آئی ہے مگر کالج اور یونیورسٹیوں میں سیدنا امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر کام ہو تو یہ کام ہے اور باہر کام ہو تو یہ کام میں شمار نہ ہو، میں اس سے اتفاق نہیں کرتا۔ یونیورسٹی سے باہر بھی کام ہو رہے ہیں اور ہوتے رہیں گے کہ الحمدللہ ہمارے لیے ہر باب میں مکمل انسائیکلو پیڈیا اور باضابطہ رہنما اصول کی حیثیت سے فتاویٰ رضویہ شریف کافی ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ فتاویٰ رضویہ شریف میں بیان کردہ افکار رضا کو عملی جامہ پہنایا جائے۔

سوال: ابھی جماعت اہل سنت میں جو انتشار ہے وہ آپ سے مخفی نہیں اس انتشار کا فائدہ اٹھاتے ہوئے کچھ ایسے عناصر ابھر کر سامنے آئے ہیں جو جماعت میں رہتے ہوئے صلح کلیت اور غیر مقلدین کے نظریات کو فروغ دے رہے ہیں، جیسے غیر مقلدین کے ائمہ ابن تیمیہ اور ابن قیم کی تعریف، جمع بین الصلوٰتین، قرأۃ خلف الامام کی تائید، مقلد بنتے ہوئے امام معین کی پیروی کے خلاف بیانات، اہل قبلہ کی تکفیر سے انکار، اس موضوع پر کتابوں کی اشاعت وغیرہ، خانقاہ سراواں" الہ آباد کے ذمہ داران اور ان سے وابستہ افراد اس میں پیش پیش ہیں، یہ حقائق روز روشن کی طرح عیاں ہیں ڈھکے چھپے نہیں، مگر اتنا کچھ دیکھتے ہوئے بھی ہر طرف مصلحتانہ خاموشی چھائی ہوئی ہے، کیا یہ خاموشی جماعت کے لئے مفید ہے؟ آپ ان عناصر کو شرعی اور جماعتی اعتبار سے کس نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اس بے راہ روی کے اسباب کیا ہیں؟ اس نئی وبا سے اہل سنت کو کیسے روکا جائے؟

جواب: ڈاکٹر صاحب!

موجودہ دور میں ہمارے لئے مکمل آئیڈیل حسام الحرمین شریف اور فتاویٰ رضویہ شریف ہے جو تحریر یا جو فکر یا جو عقیدہ وعمل اس کے خلاف ہوگا وہ واضح طور پر نا قابل قبول ہے آج ایسا جو لوگ بھی کر رہے ہیں وہ جماعت مخالف ہیں، ان کا احتساب ہونا چاہئے اور آپ کا الرضا اپنے مخلص علما کے ذریعہ یہ کام کر رہا ہے۔ واضح رہے کہ ہمارے یہاں پہلے بھی صلح کلیت اور غیر مقلدیت کے لیے کوئی جگہ رہی ہے نہ آج ہے اور نہ صبح قیامت تک رہے گی۔

خانقاہ سراواں کے حوالہ سے جو باتیں سامنے آرہی ہیں وہ حیرت انگیز ہیں اور دیگر باتوں کے علاوہ وہاں سے شائع کتاب ''مسئلہ اذان واقامت ایک معتدل نظریہ'' بجائے خود ایک مسئلہ ہے۔ حیرت ہوتی ہے کہ کیسے ان لوگوں نے اس طرح کی جرأت کی، بعض خبریں ایسی بھی آرہی ہیں جو بہت چونکانے والی ہیں، جسے سنجیدگی سے لینے کی ضرورت ہے۔ آپ نے اس کے متعلق اس خادم سے جو استفسار فرمایا ہے اس بابت میری ناقص سوچ یہ ہے کہ خانقاہ سراواں کے بارے میں ہم جو بھی رائے قائم کریں وہ ہماری اور آپ کی ذاتی رائے ہوگی، بلکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ جماعت کی مرکزی شخصیات ان سے بالمشافہ یا اپنا معتمد علیہ نمائندہ ان کے پاس بھیج کر اتمام حجت قائم کریں، بعدہٗ کوئی جماعتی رائے دیں یا حکم صادر کریں، تو اس رائے میں یقیناً دم ہوگا اور اس کی پختگی مسلم مانی جائے گی جیسا کہ ماضی میں تحریک ندوہ اور خلیل بجنوری کے ساتھ کیا گیا۔

سوال: آج تصوف کے نام پر ایسی ایسی باتوں کو فروغ دیا جارہا ہے کل جس کے خلاف ہمارے اکابر نے مخلصانہ جدوجہد کی ہے، حسام الحرمین کی تصدیق سے انکار، تصدیق کے باوجود دیابنہ کی اقتدا میں نماز، ان کے دینی پروگراموں میں شرکت، اپنے یہاں دینی محافل میں ان کی دعوت وشرکت، رسائل اور کتابوں میں مضامین وتقاریظ وغیرہ، اہل سنت وجماعت میں اس کے جواز کی کوئی صورت نہیں مگر تصوف اور صوفیہ کے نظریہ وسعت کی آڑ لے کر آج جماعت اہل سنت میں ان چیزوں کو جبراً داخل کیا جارہا ہے اور اس کے خلاف آواز بلند کرنے والے کو متشدد، شدت پسند اور جھگڑالو کہا جارہا ہے۔ یہ صورت حال بتارہی ہے کہ جماعت اہل سنت ابھی داخلی فتنوں سے دوچار ہے، آخر اس فتنہ سے نپٹنے کے لئے کون سا طریقہ کار اپنایا جائے؟

جواب: ڈاکٹر صاحب!

ہمارے نزدیک جو اہل شریعت ہے وہی اہل تصوف ہے۔ آپ نے تصوف اور صوفیہ کے نام پر ہونے والے جس پیری فقیری اور عملی مفسدات کا ذکر کیا اس کا کہیں دور تک بھی قرآن وحدیث وفقہ حنفی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ آج سے سو سال قبل سیدنا امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے اپنے فتاویٰ میں ان خرافات کا سد باب فرمادیا ہے۔ ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ ان کے سامنے ان کے بزرگوں ہی کے کردار وعمل اور ان کی تصنیفات کے ذریعہ

انہیں قائل کیا جائے، ایسا نہ ہو سکے تو نہایت سنجیدگی و متانت اور حکمت و مثبت افہام تفہیم کے ذریعہ ایسے صوفیاء کا رد کیا جائے اور۔ میں اپنے ناقص تجربات و مشاہدات کی روشنی میں کہہ سکتا ہوں کہ اس سے ضرور مفید و مؤثر نتائج برآمد ہوں گے۔

سوال: اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کا وصال ۱۳۴۰ھ ہوا ۱۴۴۰ھ میں اسے سو سال مکمل ہو جائیں گے، جماعت اہل سنت میں عالمگیر سطح پر "جشن صد سالہ" منانے کی تیاریاں چل رہی ہے۔ ہر تنظیم اور مدارس اپنے اپنے اعتبار سے اس کی تیاریاں کر رہے ہیں اس سلسلہ میں یہ ضروری ہے کہ کوئی ایسا لائحہ عمل تیار کیا جائے جو اس جشن کو علمی یادگار اور تاریخ ساز بنا دے، آپ اس جشن کی کامیابی کے لئے کن خطوط پہ کام پسند کریں گے؟

جواب: محترم ڈاکٹر صاحب!

سیدنا امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ کا جشن صد سالہ منانا اور اسکو کامیاب کرنا ہمارا انفرادی اور جماعتی حق ہے۔ لیکن اس جشن صد سالہ کو صرف جلسہ اور لنگر اور جذباتی نعروں تک محدود نہ رکھا جائے بلکہ پورے اذعان و یقین کے ساتھ پوری دنیا خاص طور پر بر اعظم ایشیاء میں یہ پیغام سرمدی دیا جائے کہ سیدنا امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بلا وجہ کسی کے خلاف فتویٰ تکفیر صادر نہیں فرمایا بلکہ وہ ایک شرعی ضرورت اور ذمہ داری تھی جس کو آپ نے شاتمان رسول کے خلاف انجام دیا اور آج کل بعض خانقاہیوں میں جو خلاف شرع مراسم و معمولات در آئے ہیں جس کا شریعت حقہ سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے اعلیٰ حضرت نے اس کار دبلیغ فرما کر اپنے منصب مجددانہ کو نبھایا ہے۔ پھر یہ کہ سرکار اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اپنے رسائل و فتاویٰ کے ذریعہ خانقاہوں کے پاکیزہ معمولات کو دلائل سے مستحکم اور مضبوط کیا ہے۔ اس کے بعد بھی بعض اہل خانقاہ انہیں اپنا حریف سمجھتے ہیں، یہ بھی حیرت کا مقام ہے۔ ضرورت ہے کہ انہیں بھی حقائق سے آگاہ کیا جائے، تاکہ وہ غیروں کا آلہ کار نہ بن سکیں۔

سوال: دو ماہی الرضا اپنے تیسرے سال کے آغاز کر رہا ہے علمی حلقوں میں اس کی بڑی پذیرائی رہی۔ آپ الرضا کی خدمات اور اس کے عزائم و مقاصد کے حوالہ سے کیا کہنا چاہیں گے۔ ایسا کوئی پیغام جو آپ ہمارے قارئین کو دینا چاہیں؟

جواب: اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کا قلم نہایت پختہ اور عزم و حوصلہ نہایت بلند ہے۔ فکر و صحافت اور قلم و تحریر کی دنیا میں آپ کی شخصیت اور آپ کی ادارت میں شائع ہونے والا دو ماہی رسالہ الرضا نہایت معیاری اور نا قابل انکار حیثیت کا حامل ہے۔ بلکہ اگر میں یہ کہوں تو اس میں ذرہ برابر بھی مبالغہ نہیں ہوگا کہ شہر عظیم آباد سے شائع ہونے والے آپ کے رسالہ "الرضا انٹرنیشنل" نے اعلیٰ حضرت کے عہد ۱۳۱۵ھ میں شائع ہونے والے تاریخی علمی ادبی اور جماعتی آرگن "تحفہ حنفیہ" پٹنہ (۱۳۱۵ھ) کی شاندار یاد تازہ کر دی ہے۔ اس نے اس عہد میں ندوہ کی صلح کلیت کے خلاف بند باندھا تھا آپ کے الرضا انٹرنیشنل نے اس عہد کے صلح کلیوں کے خلاف مورچہ سنبھالا ہے۔ دعا ہے کہ رب کریم اپنے محبوب حضور اقدس ﷺ کے صدقہ و طفیل آپ کو اور آپ کے جملہ اعوان کو سلامت رکھے اور آپ کی مبارک و مسعود کوششوں سے رسالہ الرضا اپنی منزل مقصود کی طرف رواں دواں رہے۔

□□□

ممبران سے گزارش

الرضا کے قارئین سے گزارش ہے کہ وہ اپنی ممبری فیس کا جائزہ لیں۔ اگر سال مکمل ہو گیا ہو تو برائے مہربانی ممبری فیس الرضا کو ارسال کر دیں۔

جن حضرات کو رسالہ نہیں مل پا رہا ہو وہ دفتر کو مطلع کریں اور یہ کوشش کریں کہ اور حضرات اگر اس کی خریداری کے خواہاں ہو تو اکٹھے رسالے منگوائیں تاکہ پارسل یا وی پی کے ذریعہ رسالہ بھیجا جائے۔

اگر آس پاس کوئی کتاب کی دکان ہو تو ان سے رابطہ کریں تاکہ وہاں رسالہ بھیجا جائے اور شائقین وہاں سے رسالہ بآسانی حاصل کر سکیں۔ ایسے تمام خریداروں کو دس سے زیادہ کاپیاں لینے پر خاص رعایت دی جائے گی۔

خواہشمند حضرات جلد رابطہ کریں

ادارہ

امام احمد رضا قدس سرہ ایک عظیم مجدد

ریاض فردوسی، عالم گنج پٹنہ

اسلام نسلی، لسانی، جغرافیائی، معاشی ومعاشرتی تصورات ورد کر کے صرف فکری ونظریاتی حد کو تصور حیات دنیاوی میں اپناتا ہے۔ اسلام کا اجتماعی اور قومی نصب العین ایک ایسے صالح اور مثالی انقلابی معاشرے کا قیام ہے جو غلبۂ اسلام کی خاطر عالمگیر انقلاب کا ضامن ہو اور وہ معاشرہ وحدت نسل انسانی اور انسانیت کے شرف تکریم کے ایسے تصور پر بنتی ہو جس سے محدود گروہ لسانی علاقائی اور طبقاتی عصبیتیں معدوم ہو سکیں۔ اس کی بنائے استحکام حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس سے ایسی غیر مشروط اور مخلصانہ دائمی وفاداری ہو کہ شرک فی النبوۃ کا کوئی شائبہ باقی نہ رہے۔ جب پیغام اسلام کے برعکس مسلمانان عالم اپنی خودی میں ڈوب کر راہ حق سے ہٹ جائے تو اللہ رب العزت اس کی اصلاح کے لیے ایک ایسا مجدد پیدا کرتا ہے جو لوگوں کو اللہ کا پیغام سنائے اور اسلام کا صاف وشفاف چہرہ جو آئینہ سے بھی زیادہ بے داغ ہے دکھائے۔ ایسے ہی ایک عظیم مجدد کو اللہ رب العزت نے اس وقت پیدا کیا جب لوگ بے راہ روی مکمل طور پر اختیار کر چکے تھے، محسن انسانیت ﷺ کی ذات اقدس کو چند ذلیل اور ضمیر فروش علماء (جو صرف نام کے ہی مسلمان تھے) جنہوں نے کفر کے ناپاک و ذلیل حرکتوں کو قوت فراہم کرنے کے لئے اپنے علم کو انکی خبیث چالوں کے سپرد کر کے مثل ابولہب نشانہ بنا رہے تھے۔ ان کی ذلیل چالوں کو تہ تیغ کرنے کے لئے اللہ تبارک تعالیٰ نے احمد رضا خاں علیہ الرحمہ ۱۲۷۲ھ/ ۱۸۵۶ء کو پیدا فرمایا۔ آپ نے تقریباً چودہ سال کی عمر میں تمام علوم عقلی ونقلی مکمل کر لیا۔ محیر العقول فطری ذکاوت کی وجہ سے آپ نے بہت جلد ان علوم سے فراغت حاصل کی۔

آپ ایک جگہ خود فرماے ہیں، میں نے جب پڑھنے سے فراغت پائی اور میرا نام فارغ التحصیل علماء میں شمار ہونے لگا اور یہ واقعہ نصف شعبان ۱۲۸۶ھ کا ہے۔ اس وقت میں تیرہ سال دس ماہ پانچ دن کا تھا۔ اسی روز مجھ پر نماز فرض ہوئی تھی۔ اور میری طرف شرعی احکام متوجہ ہوئے تھے۔ تفسیر، حدیث، فقہ، اصول، جدل، ہندسہ، معانی اور بیان ارثما طیقی، ریاضی اور جفر کے علوم وغیرہ اپنی ذہانت وطاعی اور مطالع کی مسلسل کاوشوں سے حاصل کئے۔ مختلف علوم دینی میں شیخ احمد بن زینی دحلان مکی، شیخ عبدالرحمن، شیخ حسن بن صالح مکی، اور شیخ ابوالحسین احمد النوری سے استفادہ کیا۔ علوم روحانی میں قادریہ سلسلے میں بیعت حاصل کی۔ اس کے علاوہ مختلف سلاسل طریقت میں خلافت واجازت حاصل کی مثلاً سہروردیہ، بدیعیہ، علویہ وغیرہ۔ دوبار حج بیت اللہ شریف سے مشرف ہوئے۔

امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کی کتب ورسائل کی تعداد ایک ہزار سے بھی متجاوز ہے۔ مگر افسوس کہ ان میں اکثر مفقود الخبر ہیں۔ اور مزید یہ کہ اس کی کوئی مستند وجامع فہرست بھی دستیاب نہیں۔ ڈاکٹر حسن رضا خاں پٹنہ نے اپنے ڈاکٹریٹ کے مقالہ ''فقیہ اسلام'' میں امام احمد رضاؒ کی ۶۶۶ کتب ورسائل (مطبوعہ وغیر مطبوعہ) کا ذکر کیا ہے۔ جامعہ اشرفیہ مبارکپور کے فاضل علامہ مولانا عبدالمبین نعمانی صاحب نے فاضل بریلوی کی فہرست کتب مرتب فرما رہے ہیں۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق ۸۲۰ تصانیف کی تحقیق کر چکے ہیں اور مزید اس پر کام جاری ہے۔ مولانا سید ریاست علی قادری مرحوم بانی (ادارہ تحقیقات امام احمد رضا پاکستان) نے تقریباً ۹۰۰ سے متجاوز فہرست تیار کی تھی۔ مگر افسوس کہ ان کے سانحہ ارتحال کے بعد ان کے خاندان کی اسلام آباد سے کراچی منتقلی میں کہیں گم ہوگئی۔ اس وقت بین

الاقوامی ریسرچ انسٹی ٹیوٹ ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کی مرکزی لائبریری ''گوشہ محققین'' میں ۳۶۰ سے زائد مطبوعہ کتب ورسائل اور ۱۵۰ سے زائد عکسی مخطوطات کا ذخیرہ موجود ہے۔ (واللہ اعلم)

پہلی بار قیام مکہ کے دوران (حج بیت اللہ کے موقع پر) شیخ حسین بن صالح کی خواہش پر ''الجوہرۃ المفیہ'' کی شرح صرف دو یوم میں مکمل کر لی۔ تاریخی نام ''انیسر الوصیہ'' فی شرح الجوہرہ المفیہ، رکھا گیا۔ فقہ میں جدالممتار علیٰ ردالمحتار اور فتاویٰ رضویہ کے علاوہ ایک اور دینی وعلمی کارنامہ ترجمہ قرآن بھی ہے۔ جو کنزالایمان فی ترجمہ القرآن کے نام سے منظر عام پر آیا۔ قرآن پاک کے ترجمے کو آپ نے ۱۳۳۰ھ مطابق ۱۹۱۱ء میں مکمل کیا تھا۔ اردو، ہندی، فارسی، عربی، زبانوں میں مکمل دسترس رکھتے تھے۔ آپ سے جب کوئی مسئلہ پوچھا جاتا یا فتویٰ طلب کیا جاتا تو آپ سب سے پہلے قرآن مجید کی طرف رجوع کرتے پھر حدیث نبوی سے استفادہ کرنے کی کوشش کرتے اور بعد از اں فقہائے احناف سے استفادہ کرتے۔ آپ کے فتاویٰ میں ایک اصول نمایاں نظر آتا ہے کہ آپ نے جن ماخذ مدلل دلیلوں سے فتاویٰ میں استدلال کیا، ان علمی دلائلوں کا کھلے دل سے اعتراف آپ کے مخالفوں نے بھی کیا ہے۔ جو کہ آپ کی وسعت مطالعہ، علمی دیانت، اسلاف احناف سے اتفاق وعقیدت وروایت کے تسلسل کی درخشاں دلیل ہونے کے ساتھ ساتھ آپ کے اسلوب تحقیق میں جن کثیر علوم وفنون کا ذکر کیا ہے اکثر میں کو تجبر حاصل تھا۔ جس کا اندازہ ان علوم وفنون کے درمیان ان کے کثیر تعداد میں مطبوعہ اور غیر مطبوعہ تصانیف سے ہوتا ہے۔

آپ کا تحقیقی معیار بھی کافی اونچا تھا۔ آپ نے جو کچھ تحریر فرمایا اس میں نادر ونایاب تحقیقات پیش کر کے ہر دور کے اہل علم کو ششدر کر دیا۔ آپ نے محققین کے لئے تحقیق سے متعلق بعض نکات پیش فرمائے ہیں ان نکاتوں کا مطالعہ کرنے پر ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک محقق کے لیے یہ کتنا نادر تحفہ ہے۔ تحقیق میں آپ نے صحت نسخ اور صحت متن پر بہت ہی زیادہ دھیان دیا۔ وزارت تعلیم حکومت سندھ کے سابق ایڈیشنل سکریٹری اور پاکستان کے ممتاز ماہر تعلیم ونصاب پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نے امام احمد رضا خاں کے معیار تحقیق سے متعلق کہا تھا کہ ''امام احمد رضا خاں کا تحقیقی معیار بہت بلند تھا''۔ اپنی تصنیف ''حب العوار'' میں انہوں نے ماخذ اور اس کے متن پر علمی بحث کی ہے، اور شاہ احمد رضا خاںؒ کے علمی اثاثوں کو ادبی شکل میں پرکھنے کی کوشش کی ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کیسے بلند پایہ محقق تھے۔ امام احمد رضا کی تحقیقات اور ان کا معیار اس قدر بلند ہے کہ ان سے برصغیر کے محققین ہی نہیں بلکہ علمائے عرب اور مستشرقین یورپ بھی متاثر نظر آتے ہیں۔

مشہور شامی عالم شیخ عبدالفتاح ابوغدہ (پروفیسر صلیۃ الشرعیہ محمد سعود یونیورسٹی ریاض سعودی عرب) جو عربی زبان وادب کے ممتاز ادیب ودانشور اور تقریباً پچاس سے زائد کتابوں کے مصنف ہیں فرماتے ہیں: ''میں نے جلدی جلدی میں امام احمد رضا کا ایک عربی فتویٰ مطالعہ کیا۔ عبارت کی روانی اور کتاب وسنت واقوال سلف سے دلائل کے انبار دیکھ کر حیران ششدر رہ گیا۔ اور اس ایک فتویٰ کے مطالعہ کے بعد میں نے یہ رائے قائم کر لی کہ یہ ایک شخص کوئی بڑا عالم اور اپنے وقت کا زبردست فقیہ ہے۔'' یورپی مستشرق کیلی فورنیہ یونیورسٹی امریکہ کے شعبہ تاریخ کی ڈاکٹر باربرا ڈی مٹکاف لکھتی ہیں۔ ''احمد رضا خاں کی نگارشات کا اندازہ مدلل تھا۔ جس میں بے شمار حوالوں کے ڈھیر ہوتے تھے۔ جس سے ان کی علمی وعقلی فضیلت کا اندازہ ہوتا ہے۔'' آپ کے اسلوب تحقیق اور قوت فیصلہ سے متعلق علامہ ڈاکٹر محمد اقبال اظہار خیال کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''مولانا ایک دفعہ جو رائے قائم کر لیتے ہیں اس پر مضبوطی سے قائم رہتے ہیں۔ یقیناً وہ اپنی رائے کا اظہار بہت غور وفکر کے بعد کرتے ہیں۔ انہیں اپنے شرعی فیصلوں اور فتاویٰ میں کبھی کسی تبدیلی یا رجوع کی ضرورت نہیں پڑتی۔''

''ناظم ندوۃ العلماء لکھنو مولانا ابوالحسن علی ندوی، امام احمد رضا خاں کی قوت استدلال پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''انہوں نے ایک کتاب بنام ''الذبدۃ الزکیہ تحریم سجود التحیۃ'' تصنیف کی۔ یہ کتاب اپنی جامعیت کے ساتھ ان کے وفور علم اور قوت استدلال پر دال ہے۔'' آپ کے فتاویٰ پر اظہار خیال کرتے ہوئے پاکستان کے ممتاز ادیب ودانشور حکیم مد سعید دہلوی فرماتے ہیں۔ میرے نزدیک ان کے فتاویٰ کے اہمیت اس لئے نہیں ہے کہ وہ کثیر تعداد وکثیر فقہی جزئیات کے مجموعے ہیں بلکہ ان کا خاص امتیاز یہ ہے کہ ان میں تحقیق کا وہ اسلوب نظر آتا ہے۔ جس کی جھلکیاں ہمیں صرف قدیم فقہاء میں نظر آتی ہیں۔ آپ کے فتوے ہمیشہ شریعت کی رو میں ہوتے۔ آپ قانون خداوندی کے معاملے میں کسی کا بھی خیال نہیں کرتے۔ آپ گستاخ

رسول اللہ ﷺ کے لیے ہمیشہ شمشیر بے نیام رہے۔ آپ نے حدود اللہ کے بنا پر جو حرام ہیں حرام کہا، ناجائز ہیں ناجائز کہا اور خلاف اولیٰ کو خلاف اولیٰ تحریر فرمایا۔ گویا شریعت اعتدال کے دامن کو ذرہ برابر ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ اور جو واقعی شرعی حکم تھا وہی بیان فرمایا ہے۔ باعمل عالم دین، فقیہ ملت، اور مجدد دین وملت کا کام بھی یہی ہے۔ آپ نے ۱۳۳۹ھ میں ایک رسالہ تصنیف فرمایا جس کا نام ''جمل النور فی نہی النساء عن زیارۃ القبور'' جس میں عورتوں کو زیارت قبور سے منع کرنے کے بارے میں نورانی جملے بہت ہی موئدبانہ انداز میں تحریر کیا۔ آپ کی تصنیفات میں ہمیشہ عشق رسول ﷺ کو ترجیح دی جاتی۔ آپ کی نعت گوئی کافی مشہور ومعروف ہے۔ نعتیہ شاعری کا ایک بہترین مجموعہ حدائق بخشش حصہ اول دوم منظر عام پر آچکا ہے۔

علامہ احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ نے عشق رسول ﷺ کو اپنا مقصد حیات بنایا، اور نعت گوئی کے ذریعے اپنے عشق کی ترجمانی کی، دنیا کے اہل علم ششدر رہ گئے اور لوگوں نے حسان الہند کے کلام سے دلوں کو منور ومجلیٰ کیا۔ اس صنف کو بہترین ادبی جواہر پاروں سے مزین کیا اور ایسی ایسی نعتیں تحریر کی، جو زبان وبیان، فکر وفن، اظہار وابلاغ اور تاثیر کے اعتبار سے اردو ادب میں سرمائے حیات کا درجہ رکھتی ہیں۔ (تعجب خیز بات ہے کہ آپؒ کی کم ہی تصانیف اردو زبان میں ہے)۔ آپؒ کبھی اپنی نعتوں میں سرکار دوعالم ﷺ کی مدح سرائی کرتے ہیں تو کبھی ان کے اہل بیت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی۔

سرور کہوں کہ مالک ومولیٰ کہوں تجھے
باغ خلیل کا گل زیبا کہوں تجھے

آل رسول ﷺ سے اپنی نسبت کا یوں اعلان کرتے ہیں۔

تیری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا
تو ہے عین نور تیرا سب گھرانا نور کا

کبھی آپ اپنی پریشانیوں کے بارے میں آقا ﷺ سے یوں رقمطراز ہیں:

کانٹا میرے جگر سے غم روزگار کا
یوں کھینچ لیجئے کہ جگر کو خبر نہ ہو

انہوں نے نعت کے میدان میں جو اعلیٰ نمونے پیش کئے ہیں ان میں سے ان کی ایک مشہور ومقبول نعت کا ذکر کرنا میں ضروری سمجھتا ہوں، جس میں اردو، ہندی، عربی اور فارسی کے تانے بانے سے وہ عمارت تعمیر کی گئی ہے۔ جو نعت گوئی کا ذوق وشوق رکھنے والوں کے ذہنوں میں ہمیشہ اپنی جگہ قائم رکھے گی۔ یہ تخلیق ذہنی تنوع اور علمی ظرف کا ایک ایسا نمونہ ہے جس کی مثال ہمیں فیضی، خاقانی، خسروؒ اور انشاء اللہ خاں انشاء کے علاوہ شاید ہی کہیں نظر آتا ہے۔

لم یات نظیرک فی نظر مثل تو نہ شد پیدا جانا
جگ راج کو تاج تورے سر سوہے تجھ کو شہ دوسرا جانا

البحر علی والموج طغیٰ من بیکس وطوفاں ہوش ربا
منجدھار میں ہوں بگڑی ہے ہوا موری نیا پار لگا جانا

یا شمس نظرت الی لیلیٰ چوں بہ طیبہ رسی عرض بکنی
توری جوت کی جھل جھل جگ میں رچی مری
شب نے نہ دن ہونا جانا

مندرجہ بالا نعت اردو، ہندی، فارسی اور عربی آمیز ہونے کے باوجود اپنے تاثر کی اکائی کو برقرار رکھتی ہے۔ نعت گوئی کا فن، عشق رسول ﷺ کی منزل میں ایسا پل صراط ہے جس پر قدم رکھنے اور توازن قائم رکھتے ہوئے اس پر سے گزر جانے کی سعادت بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتی ہے۔ لیکن مولانا احمد رضا خاںؒ میں دینی بصیرت، شریعت وطریقت سے آگاہی عشق سے باریک سے باریک نکات معلوم ہونے کا ساتھ موجود تھیں۔ آپ نے اپنی مکمل زندگی انسانیت مخدومی میں گزار دی۔ ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء کا دن مسلمانوں کے لیے غم کا اور رنج والم کا دن بن گیا جب آپ رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہو گیا۔ آپ اپنے اس حاکم کے پاس پہنچ گئے جس کی شریعت کے آپ نگہبان تھے اور آج آپ نہیں ہیں مگر آپ کی تصانیف ہمارے لئے مشعل راہ ہیں۔ بریلی کی سر زمین پر آپ کا مزار شریف موجود ہے۔ اور عقیدت مندوں کا ہر سال وہاں قافلہ جاتا ہے، اور سننے والوں کو محبت رسول ﷺ کی زندہ جاوید تصویر، عاشق صادقؒ کی دلکش آواز سنائی دیتی ہے۔

بس خامہ خام نوائے رضا نہ یہ طرز مری نہ یہ رنگ مرا
ارشاد احبا ناطق تھا ناچار اس راہ پڑا جانا

☆☆☆

حضرت شاہ محمد تقی بلخی: حیات کے چند عظیم گوشے

سید شاہ ابصار الدین بلخی فردوسی

بہار کی سرزمین علم وادب میں ہمیشہ زرخیز اور ممتاز رہی ہے۔ یہاں عظیم ہستیاں پردہ ظہور پر نمایاں ہوئیں۔ ان میں ایک بڑی تعداد ان ہستیوں کی بھی ہے جنہوں نے مذہبی و دینی رہنمائی اور پیشوائی کا فریضہ انجام دیا۔ دنیائے انسانیت ان کے عارفانہ علوم سے فیض یاب ہوئی۔ ان کی فکری اور علمی صلاحیتیں طالبان تحقیق کے لئے مشعل راہ بنیں۔ ان ہی بیش قیمت ہستیوں میں ایک نام حکیم حافظ حضرت سید شاہ محمد تقی بلخی فردوسی کا ہے، جن کی پیدائش فتوحہ رائے پورہ میں ہوئی۔ آپ عہد طفلی میں ہی اپنے والد ماجد سے طریقہ فردوسیہ میں بیعت ہو گئے۔ یہ زمانہ ان کی خوردسالی کا تھا جب عمر تمیز کو پہنچے تحصیل علوم ظاہری سے فارغ ہوئے تو حضرت مولانا حسن رضا رائے پوری (المتوفی ۱۲۱۵ھ، خلیفہ و جانشین حضرت مخدوم منعم پاک باز قدس سرہٗ) کی خدمت میں حاضر ہو کر سلسلہ فردوسیہ میں تجدید بیعت کی جس کا ذکر انہوں نے اپنی مثنوی ''گنجینہ اسرار'' میں اس طرح کہا ہے۔ شعر ملاحظہ ہو:

خال واستاد من کہ تسلیم است
شعر او نقد حال ما گردید
نیست تسلیم را غم شاہی
از غلام حسن رضا گردید

قاضی محمد اسماعیل قدیمی (المتوفی ۱۲۹۱ھ) اپنی کتاب ''اخبار الاولیاء'' میں لکھتے ہیں کہ ''آپ (مولانا حسن رضا) کے خلفاء میں حضرت شاہ محمد تقی علیہ الرحمہ (بلخی) ہیں جو رشتے میں آپ کے اپنے بھانجے بھی تھے۔ انہوں نے ایک مدت تک آپ سے تربیت پائی ہے۔ یہ حضرت مولانا مظفر (بلخی) قدس سرہ کی اولاد میں ہیں۔ بچپن میں اپنے خاندان میں بیعت ہو گئے تھے۔ لیکن پھر حضرت مولانا حسن رضا قدس سرہٗ سے اسی سلسلہ فردوسیہ میں تجدید بیعت کی۔ آپ علم طبابت بھی اچھی طرح جانتے تھے۔''

پرانی خاندانی روایت کے مطابق جس کو میرے دادا حکیم سید شاہ علیم الدین بلخی نے بتایا کہ علم طب کی تعلیم بھی انہوں نے اپنے ماموں مولانا حسن رضا سے ہی حاصل کی اس کا ذکر میں نے یادگار شاہ علیم الدین بلخی میں بھی کیا ہے۔ حضرت مولانا حسن رضا رائے پوری اپنے زمانہ کے مشہور و معروف طبیب تھے جن کا شہرہ اس وقت پورے رائے پورہ میں تھا۔ آپ کے کچھ تبرکات جس میں ترکی کی بنی حقہ کی 'گڑگڑی' جس میں قسم قسم کے پھول نقش تھے خانقاہ بلخیہ میں موجود تھے۔ ۱۹۴۷ء کے فسادات میں ضائع ہو گئے۔ مگر ایک زرد رنگ کا خوبصورت 'رومال' خانقاہ بلخیہ فردوسیہ میں موجود ہے جس کو مولانا حسن رضا زیب تن کیا کرتے تھے۔

شاہ محمد تقی بلخی (المتوفی ۱۲۵۵ھ) کی علم طب پر تحریری دستاویزات قرابادین کی شکل میں خانقاہ بلخیہ فردوسیہ کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ آپ نے مختلف علوم وفنون میں طبع آزمائی کی جن میں علم جفر پر ''مرۃ الاسرار'' اور فقہ میں ''فقہ ہندی'' ہے۔ ''فقہ ہندی'' اردو میں فقہ پر لکھی جانے والی پہلی کتاب ہے جس کا ذکر مشہور و معروف ناقد پروفیسر اختر اورینوی نے اپنی کتاب بہار میں اردو زبان وادب کا ارتقاء میں بھی کیا ہے وہ لکھتے ہیں ''حضرت (تقی بلخی) کی کتاب احکام (فقہ ہندی) کا قلمی نسخہ مجھے پروفیسر ذکی الحق صاحب بی این کالج سے ملا اس نسخہ کی کتابت ۱۲۸۸ھ فصلی ۱۲۵۶ میں شیخ خیراں نے کی۔ اس وقت مصنف حیات سے تھے

لکھا ہے: ''تمام ہوئی یہ کتاب ترجمہ ہندی تصنیف شاہ محمد تقی بلخی فردوسی مدظلہ کے خط خام سے عاصی حقیر سراپا تقصیر شیخ خیر العلی ولد شیخ نجیب علی انصاری رہنے والے محلہ عالم گنج متعلقہ شہر عظیم آباد حال سکونت موضع ارندہ ضلع شہر مذکورہ بیچ تاریخ دوازدہم شہر ذیقعدہ ۱۲۴۸ فصلی'' کتب خانہ بلخیہ فردوسیہ میں اس کا قلمی نسخہ موجود ہے جس کے کاتب عبد الغفار صاحب اور سن کتابت ۱۲۶۸ھ ہے۔ یہ نسخہ مصنف کے انتقال کے بعد کا ہے۔

حضرت غلام مظفر بلخی فردوسی (المتوفی ۱۳۲۴ھ) لکھتے ہیں کہ ''کتاب لاجواب مسمی بااحکام تالیف لطیف جد امجد حضرت سید شاہ محمد تقی بلخی فردوسی قدس سرہٗ العزیز اولا ۱۲۸۳ھ میں اس وقت چھپی تھی کہ ..... زیارت سے بہرہ اندوز ہو کر واپس آئے تھے اور وہیں ۱۲۸۰ھ میں جب کہ خاک پاک طیبہ کو سرمہ دیدہ بصارت کیا تھا تو حضرت والد ماجد پیر و مرشد برحق شاہ علیم الدین بلخی قدس سرہٗ العزیز نے بنظر مزید تصحیح وصحت الفاظ وغیرہ جناب مولانا شاہ عبد الغنی فاروقی مجددی محدث دار الہجرہ ابن حافظ شاہ سعید مجددی دہلوی کے حضور پیش کیا گیا تھا۔ جناب مولانا نے حرف حرف لفظ لفظ بغور معائنہ فرمایا اور اس کتاب کو صحت و روایت حسن میں مطبوع فرمایا اور نظر مزید عنایت اکثر مقام میں کچھ فائدہ زیادہ بھی کئے جس کا ذکر اشارہ حاشیہ میں جابجا مرقوم ہے الحق کہ یہ کتاب خوب ہے اور ہر دل مرعوب ہے اپنی جگہ میں نقطہ انتخاب ہے آیات قرآن مجید کا خلاصہ وعلالہ ہے۔ احادیث رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زبدہ وسلالہ ہے۔''

رخشاں ابدالی (پدر شاہ عبد القادر اسلام پوری) لکھتے ہیں کہ: ''اس کتاب کا نام احکام ہے۔ اس کے مصنف حضرت سید شاہ محمد تقی بلخی سجادہ خانقاہ بلخیہ فتوحہ پٹنہ ہیں۔ ۱۲۸۳ھ میں مٹیا برج کلکتہ میں مرزا مہدی حسن کے اہتمام سے طبع ہوئی ہے اور بعد والے صفحہ پر شاہ یحیٰ عظیم آبادی کے دو قطع تاریخ فارسی میں ہیں۔ منصف کے صاحبزادے اور جانشین شاہ علیم الدین صاحب نے مصنف کی رحلت کے چند برس بعد چھپوایا ہے جس کی صراحت اپنے مقدمہ میں انہوں نے کی ہے۔ ۱۲۸۳ھ سال طباعت ہے (تصنیف بلاشبہ مطبوعہ سے پہلے کی ہے کیوں کہ قلمی نسخہ کی کتابت مصنف کی زندگی میں ہی مکمل ہو چکی تھی۔ لہذا محقق ہے کہ ۱۲۸۳ھ سے چند سال پہلے یہ کتاب لکھی جا چکی تھی۔ یہ تین کتاب اور چند ابواب وفصول پر مشتمل ہے جن میں عقائد و مسائل فقہ اور اوراد و وظائف کا بیان ہے۔) (ندیم، بہار نمبر ۱۹۳۵ء)''

اس کے علاوہ شاہ محمد تقی بلخی نے مثنوی مسمی گنجینہ اسرار ۱۲۴۶ھ میں تالیف کی جس میں انہوں نے رموز و اسرار حقائق کی باتیں حکایات کہہ کر بیان کی جس کا ذکر شاہ طیب ابدالی (سجادہ نشین خانقاہ صوفیہ) نے بہار کا ایک صوفی شاعر میں بھی کیا ہے۔

حضرت سید شاہ غلام مظفر بلخی فردوسی اس کتاب کی منظوم تعریف لکھتے ہیں۔

کتاب مثنوی گنجینہ اسرار
ز تصنیف جناب نیک کردار
کہ باعلم و عمل از بس غلو داشت
محمد باتقی نام نکو داشت
کہ جد امجد است و پیر پیرم
جمال او بہر صورت نصیرم

آپ شاعری میں عاصی تخلص کرتے تھے شعر ملاحظہ ہو:

گر نواز بلطف خود او را
عاصی شرمسار را نازم

علم رمل و جفر پر ایک نادر و ضخیم کتاب مرۃ الاسرار لکھا جس کا قلمی نسخہ جو دار المعلومات بلخیہ میں موجود ہے۔

آپ کا خاندان بلخ سے ہجرت کر کے ہندوستان میں صوبہ بہار تشریف لایا۔ آپ کے جد امجد سید شمس الدین بلخی جو مخدوم احمد چرم پوش (خالہ زاد حضرت مخدوم جہاں) کے ہاتھ پر بیعت ہوئے جس کا ذکر مخدوم شعیب (چچا زاد برادر مخدوم جہاں) نے اپنی کتاب مناقب الاصفیاء میں کیا ہے۔ منجھلے لڑکے حضرت معز بلخی بھی اپنے والد کی طرح مخدوم احمد چرم پوش کے ہاتھ پر بیعت ہوئے اور ان کے بیٹے حضرت مخدوم حسین نوشہ توحید بلخی حضرت مخدوم جہاں کے مرید و جانشین ہوئے۔ آپ کی کتاب 'حضرات خمس' تصوف پر عربی زبان میں برصغیر ہند و پاک میں لکھی جانے والی پہلی کتاب کا درجہ رکھتی ہے۔ جس کی بلیغ و عمیق شرح فارسی میں 'کاشف اسرار' کے نام سے ان کے بیٹے مخدوم حسن بلخی نے لکھی ہے۔

حضرت شاہ محمد تقی بلخی کی قربت اپنے جد امجد شمس الدین بلخی سے اس طرح ہے۔ ''حضرت شاہ محمد تقی بلخی ابن سید شاہ غلام معز بلخی ابن سید شاہ برہان الدین بلخی ابن سید شاہ علیم الدین بلخی ابن سید شاہ نور محمد بلخی ابن سید شاہ دیوان دولت بلخی ابن مخدوم فرید بلخی ابن مخدوم جیون بلخی ابن مخدوم حافظ بلخی ابن مخدوم ابراہیم سلطان بلخی ابن مخدوم احمد لنگر دریا بلخی ابن مخدوم حسن بلخی ابن مخدوم حسین نوشہ توحید بلخی ابن مخدوم معز بلخی ابن مخدوم شمس الدین بلخی۔

آپ کے والد ماجد سید شاہ غلام معز بلخی (المتوفی ۱۱۸۸ھ) باکمال صوفی بزرگ جو بیور سے ہجرت کر کے فتوحہ تشریف لائے۔ آپ کی شادی بی بی رجمن بنت شاہ عبداللہ (پدر مولانا حسن رضا) سے ہوئی جن سے چار بیٹی اور ایک بیٹے ہوئے۔ پہلی بیٹی کی شادی غلام شہنشاہ بلخی سے ہوئی۔ دوسری لڑکی کی شادی اپنی چچازاد بھائی حضرت مخدوم بخش ابن غلام مظفر بلخی سے ہوئی۔ تیسری بیٹی سید بی بی امینہ جن کی شادی اپنے ماموں زاد بھائی سید شاہ غلام حسن ابن مولانا حسن رضا رائے پوری سے ہوئی جن سے احسن میاں پیدا ہوئے۔ اور چوتھی بیٹی کا حال معلوم نہیں۔ بیٹے میں شاہ محمد تقی بلخی ہوئے جو والد کے انتقال کے بعد خانقاہ بلخیہ فردوسیہ فتوحہ کے سجادہ ہوئے۔ سید شاہ غلام معز بلخی اپنے والد سید شاہ برہان الدین بلخی کے ہاتھ پر سلسلہ فردوسیہ میں بیعت ہوئے۔ آپ کا انتقال ۱۱۸۸ھ میں فالج کے مرض سے ہوا جس کا ذکر سید علی تسلیم نے اپنے سفینہ میں کیا ہے۔ آپ کا مزار کھجوریہ درگاہ فتوحہ چھوٹی لائن میں ہے جو آج بھی خاص و عام کے لئے مرجع خلائق ہے۔

شاہ محمد تقی بلخی کی پہلی شادی بی بی وحیدن بنت سید حیدر علی (برادر حقیقی مولانا حسن رضا) سے ہوئی جو رشتے میں آپ کی ماموں زاد بہن بھی تھیں لیکن افسوس ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ دوسری شادی سید حیدر علی کی دوسری بیٹی سے ہوئی جن سے سید شاہ منیر الدین بلخی ہوئے جو اعلیٰ حضرت سید شاہ قمر الدین حسین منعمی (المتوفی ۱۲۵۵ھ) کے خاص تربیت یافتہ تھے تیسری شادی کھر بھیا میں بی بی وحیدن سے ہوئی جن سے دو بیٹے اور چار بیٹی ہوئیں۔ بیٹوں میں شاہ علیم الدین بلخی (المتوفی ۱۲۸۷ھ) ہوئے جو اپنے والد کے بعد مسند سجادگی پر فائز ہوئے۔ آپ کے بعد آپ کے بیٹے غلام مظفر بلخی (المتوفی ۱۳۲۴ھ) ہوئے جو خانقاہ بلخیہ کے سجادہ نشیں ہوئے۔ سید شاہ غلام مظفر بلخی کے بڑے بیٹے غلام شرف الدین بلخی عرف شاہ درگاہی (المتوفی ۱۳۵۶ھ) ہوئے جو اپنے والد کے بعد مسند سجادگی پر فائز ہوئے۔ آپ کے بعد آپ کے بڑے لڑکے حکیم سید شاہ تقی حسن بلخی (المتوفی ۱۳۲۹ھ) ہوئے۔ جو اپنے والد کے بعد مسند سجادگی پر فائز ہوئے۔ ۱۹۴۷ء کے فساد کے بعد سوائے حکیم سید شاہ تقی حسن بلخی کے سارے بھائی کراچی (پاکستان) میں آباد ہیں۔ جو اپنے آباو اجداد کی مزار مبارک پر فیض لینے کے لیے خانقاہ بلخیہ فتوحہ میں آتے رہتے ہیں۔ حکیم تقی حسن بلخی ایک جید عالم دین تھے۔ آپ کی علمی اور ادبی اور روحانی شخصیت بڑی جامع اور ہمہ گیر ہے جس کا مختصر میں احاطہ کرنا آسان نہیں۔ آپ کے بعد آپ کے ہونہار لائق فائق بیٹے حکیم سید شاہ علیم الدین بلخی ہوئے جنہوں نے والد ماجد کے انتقال کے بعد خانقاہ کی ذمہ داری سنبھالی اور اب تک اس پر فائز ہیں۔ آپ علم کے بحر زخار ہیں۔ آپ کی عمر اس وقت تقریباً ۹۵ برس ہو چکی ہے۔ لیکن آج بھی کئی سو اشعار حافظہ میں محفوظ ہیں۔ آپ کو عربی و فارسی زبان میں کامل عبور حاصل ہے۔ عربی اور اردو کے بے شمار مضامین ہندو پاک میں چھپتے رہے ہیں۔ ضعیفی کے باعث خانقاہ بلخیہ فردوسیہ فتوحہ کی ذمہ داری اپنے بڑے لڑکے سید شاہ ڈاکٹر مظفر الدین بلخی کو دے دی ہے۔ جو اس ذمہ داری کو بحیثیت متولی بہ حسن و خوبی انجام دے رہے ہیں۔

سید شاہ محمد تقی بلخی فردوسی کا انتقال ۲۴ر جمادی الثانی ۱۲۵۵ھ کو ہوا۔ آپ فتوحہ درگاہ جو بلخیوں کا آبائی قبرستان ہے اس میں مدفون ہوئے۔ آپ کی شخصیت جامع کمالات تھی۔ شخصیت کے گوناگوں پہلوؤں میں بالخصوص آپ کی علمی خدمات کا جائزہ بہت وسیع ہے۔ مختلف علوم وفنون پر آپ کی کتابیں ہیں۔ جس پر تفصیل سے جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔

☆☆☆

حجۃ الاسلام کی شخصیت اور ان کے تصنیفی کارنامے

ڈاکٹر محمد امجد رضا امجدؔ

حجۃ الاسلام اپنے والد اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے جانشین اور ہم عصر علما میں ممتاز شمار ہوتے تھے، ان کی تصانیفات بھی بڑے پایہ کی ہیں اسلوب، زبان و بیان، قوت استدلال اور اتمام حجت کے اعتبار سے بھی آپ کی تصنیفات اہمیت کی حامل ہیں۔ حجۃ الاسلام کے سوانح نگاروں نے اس کا اظہار کیا ہے مگر اس اظہار کے ساتھ ان کتابوں کی تعداد بتانے میں یہ حضرات متعدد الخیال ہیں۔

حجۃ الاسلام کی سوانحی کتابوں میں دو ہی کتاب مارکیٹ میں دستیاب ہے ایک مولانا ابراہیم خوشتر کی ''تذکرہ جمیل'' اور دوسری ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی صاحب کی ''تجلیات حجۃ الاسلام'' ان کتابوں کے علاوہ ایک اہم فہرست علامہ محمد حنیف خان صاحب کا مضمون ہے جس میں ان کی تصانیف کا تذکرہ ہے۔

تذکرہ جمیل کی فہرست یہ ہے:

● مجموعہ فتاویٰ ● الصارم الربانی ● نعتیہ دیوان ● تمہید اور اردو ترجمہ الدولۃ المکیہ ● الاجازات المتینۃ لعلما بکۃ والمدینہ
● تمہید کفل الفقیہہ الفاھم ● تاریخی نام، خطبہ الوظیفۃ الکریمہ
● سد الفرار ● سلامۃ اللہ لاہل السنہ ● حاشیہ ملا جلال
● کنز المصلی پر حاشیہ ● اجلیٰ انوار الرضا ● آثار المبتدعین
● وقایہ اہل سنت، حاشیہ مکتوبات امام احمد رضا

یہ کل ۱۴؍رسالے ہیں۔ یہ کتاب ۱۴۱۲ھ میں شائع ہوئی مگر حیرت ہے ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی صاحب پر کہ اس کتاب کے ۱۶؍سال بعد انہوں نے اپنی کتاب ''تجلیات حجۃ الاسلام'' شائع کی مگر اس میں انہوں نے ترتیب بدل کر من وعن انہیں کتابوں کو شمار کرایا۔ مولانا حنیف صاحب قبلہ نے اپنی فہرست میں صرف ایک کتاب ''تنبیہ العمال عن فتاویٰ الجھال'' کا اضافہ فرمایا۔ اس طرح یہ پہلو اہل تحقیق کی دل چسپی کا متقاضی ہے انہیں اس طرف متوجہ ہونا چاہئے۔

اس فہرست میں یہ چیز بھی قابل غور ہے کہ کیا صرف تمہید لکھ دینے سے کوئی کتاب کسی کی طرف منسوب کی جاسکتی ہے ،جیسا کہ ''تمہید کفل الفقیہہ الفاہم'' لکھ کر اسے حجۃ الاسلام کی کتاب شمار کرایا گیا ہے۔

حجۃ الاسلام کی تصانیف کے حوالہ سے دوسری اہم بات یہ سامنے آتی ہے کہ ان کی تصانیف کو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے نام بھی منسوب کیا جاتا رہا ہے اس سلسلہ میں دو کتاب ''اجتناب العمال'' اور ''اذان من اللہ'' کو سامنے رکھا جاسکتا ہے۔ ''اجتناب العمال'' کو اہل پاکستان نے مترجم وجدید فتاویٰ رضویہ میں شامل کر دیا ہے اور اب ہندوستانی ایڈیشن میں بھی وہ اسی طرح شائع ہو رہی ہے، حالانکہ یہ کتاب حجۃ الاسلام کی ہے۔ یہ کتاب سب سے پہلے ماہنامہ تحفہ حنفیہ پٹنہ میں قسط وار حجۃ الاسلام کے نام سے شائع ہوئی ترتیب اس طرح ہے:

● ربیع الآخر ۱۳۲۰ھ ● جمادی الاولی ۱۳۲۰ھ ● رجب ۱۳۲۰ھ ● رمضان ۱۳۲۰ھ ● شوال ۱۳۲۰ھ

اس میں مدیر رسالہ مولانا ضیا الدین ہمدم پیلی بھیتی کا ۳۲؍صفحات پر مشتمل مقدمہ ہے۔ جس میں انہوں نے لکھا ہے:

> یہ استفتا اور ملا صاحب (۔۔۔۔) کی تینوں تحریریں مجدد مأۃ حاضرہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اعلیٰ حضرت مخدومنا محمد احمد رضا خان صاحب کی خدمت سراپا افاضت میں پیش کی گئی حضرت موصوف نے ان کو ملاحظہ فرمایا اور

آپ کے فرزند لائق، فاضل نوجوان، حامی سنت، ماحی بدعت جناب مولانا مولوی محمد حامد رضا خان صاحب ادام فیوضہ اللہ الواہب نے نہایت شرح وبسط کے ساتھ جواب باصواب تحریر فرمایا اور اس کا تاریخی نام اجتناب العمال عن فتاوی الجہال رکھا گیا،

پھر اس کتاب کی تعریف کرتے ہوئے لکھا:

جس اہل علم کے ملاحظہ میں یہ رسالہ مبارکہ گیا اسے حضرت مجیب کی خوبی لیاقت وحسن تحریر کی داد دی اور بلاتردد تائیدی تحریر لکھ کر اس پر اپنی مہر لگائی اور سب سے پہلے اس کی تصحیح میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ نے عبارت قل دل لکھ کر مہر شریف فرمائی

اعلی حضرت کی تصدیق ملاحظہ کریں:

مجیب سلمہ القریب المجیب نے جو امور بالجملہ میں لکھے ضرور قابل لحاظ و مستحق عمل ہیں مسلمانوں کو ان کی پابندی چاہئے کہ باذنہٖ تعالیٰ مضرت دینی سے محظوظ رہیں وباللہ العصمۃ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

اس کتاب پر جن حضرات کی تصدیقات ہیں اسے عزیزی مفتی غلام سرور قادری نے اپنے مضمون میں شامل کرلیا ہے جو حجۃ الاسلام نمبر میں شامل ہے۔ اب اس کے باوجود اس کتاب کو اعلیٰ حضرت کی تصنیف شمار کرنا حیرت انگیز ہے۔

جہاں تک تصنیفات حجۃ الاسلام کے حوالہ سے میں نے تحقیق کی ہے، اس سے ان کی تصانیف کی تعداد ۲۲ رتک پہنچی ہے مزید تحقیق کا سلسلہ جاری ہے۔ جدید فہرست یہ ہے:

الصارم الربانی علی اسراف القادیانی	مطبوعہ
سدالفرار	مطبوعہ
دو آفت بدایوں کی خانہ جنگی	مطبوعہ
نکس اباطیل مدرسہ خرما	مطبوعہ
اجلیٰ انوار رضا	مطبوعہ
اجتناب العمال	مطبوعہ
سلامۃ اللہ لاہل السنہ	مطبوعہ
رمز شیریں چاہ شور	مطبوعہ
قصدیم شیریں باچاہ شور	مطبوعہ
خطبہ استقبالیہ	مطبوعہ
اذان من اللہ	مطبوعہ
مراسلت سنت وندوہ	مطبوعہ
تیسیر المعیون للسکون فی وباء الطاعون	مطبوعہ
فاتحۃ الریاحین بطیب آثار الصالحین حبل اللہ المتین	مطبوعہ
تعلیقات فتاوی رضویہ (تیسری جلد)	مفقود
کنز المصلی پر حاشیہ	مفقود
مسئلہ اذان کا حق نما فیصلہ	مطبوعہ
حاشیہ ملا جلال	مفقود
ترجمہ الدولۃ المکیہ	مطبوعہ
ترجمہ حسام الحرمین	مطبوعہ
فتاویٰ حامدیہ	مطبوعہ
دیوان نعت (بنام "تحائف بخشش")	مطبوعہ

اذان من اللہ کو حضرت مولانا محبوب علی خان صاحب نے اعلیٰ حضرت کا رسالہ شمار کیا ہے یہ انتساب بھی قابل غور ہے۔ میرا ارادہ تھا کہ اس حوالہ سے تفصیلی مقالہ لکھوں مگر حجۃ الاسلام نمبر پریس کے حوالہ ہورہا ہے اس لئے اسے بعد کے لئے اٹھا رکھتا ہوں مگر اپنی پیش کردہ فہرست کے حوالہ سے میرے پاس کافی شواہد موجود ہیں ان شاءاللہ جلد ہی اسے پیش کرنے کی سعادت حاصل کروں گا۔

□□□

مولانا غلام یٰسین: خدمات کے زریں نقوش

مولانا غلام سرور قاری مصباحی، القلم فاؤنڈیشن سلطان گنج پٹنہ۔۶

''بائسی'' پورنیہ بہار کی ایک مشہور و معروف تحصیل ہے جسے مدینۃ العلماء اور گلستان مشائخ واولیا کا شرف حاصل ہے۔ جو صدیوں سے حکمت ودانائی کا معدن، علم وفضل کا منبع، تہذیب وثقافت کی آماجگاہ، الفت ومحبت کا گہوارہ اور روحانیت کا مرکز رہا ہے۔ جس خاک سے ان گنت ہیرے جواہرات اور ماہ ونجوم پیدا ہوئے جنھوں نے اپنی ضیاباری کرنوں سے محض ہندوپاک ہی نہیں بلکہ اکناف عالم کو منور ومجلیٰ کر دیا بفضلہ تعالیٰ ہنوز فیض رسانی کی یہ روشن کڑی قائم ہے۔ انہیں نابغۂ روزگار، عظیم المرتبت شخصیات میں زعیم العلماء شیخ الاسلام والمسلمین حضرت علامہ غلام محمد یٰسین رشیدی پورنوی کی ذات گرامی آسمان علم وفضل، دین ومسلک کی خدمات اور روحانیت وپاکیزگی کے حوالے سے نمایاں ہے۔

حضرت شیخ الاسلام کی تاریخ ولادت متیقن نہیں مگر بقول آپ کے شاگرد خاص ومرید اخص حضرت مفتی ذوالفقار علی رشیدی آپ کی پیدائش ۱۷/رجب المرجب ۱۳۳۰ھ منشی ٹولہ تاراباڑی تحصیل بائسی ضلع پورنیہ بہار میں ہوئی اور وصال ۳/ربیع الاول ۱۴۰۷ھ مطابق ۱۳/نومبر ۱۹۸۷ء کو ہوا۔

تعلیم وتربیت:

حضرت شیخ الاسلام نے ابتدائی اردو اور فارسی کی تعلیم اپنے عم محترم حضرت منشی محمد عبد المجید علیہ الرحمہ سے حاصل کی جو اس علاقے کے ماہر فارسی داں جانے جاتے تھے۔ عربی کی ابتدائی تعلیم مدرسہ حمایت الاسلام سنگھیا بائسی پورنیہ میں پائی۔ پھر تمام تر اعلیٰ تعلیم کے لیے مدرسہ معینیہ اجمیر معلیٰ میں حاضر ہوئے اور خلیفہ وتلمیذ اعلیٰ حضرت حضور صدر الشریعہ حضرت مفتی امجد علی علیہ الرحمہ سے علم دین کی تشنگی بجھانے لگے۔ لیکن حضور صدر الشریعہ جب ۱۳۵۰ھ/۱۳۵۱ھ میں شہر علم وفن مرکز اہلسنت بریلی شریف تشریف لائے تو طلبا کے ایک قافلے کے ساتھ آپ بھی بریلی شریف آ گئے۔ اور یہیں منظر اسلام بریلی شریف میں حضور صدر الشریعہ اور دیگر موقر اساتذہ کرام سے چند سال رہ کر تکمیل تعلیم فرمائی اور ''العلماء ورثۃ الانبیاء'' کے تاج زریں سے سرفراز کیے گئے اور فتویٰ نویسی تاجدار اہل سنت حضور مفتی اعظم ہند سے سیکھی۔

علمی جلالت اور تصوف میں مہارت:

آپ کی علمی پختگی اور تبحر علمی کا عالم یہ تھا کہ بڑے بڑے صاحبان جبہ ودستار آنکھ ملانے کی جرأت نہیں کرتے، فقہ وافتاء میں مقام اس قدر بلند تھا کہ بڑے بڑے مفتی وقت بھی بات کرنے سے کتراتے اور معارف تصوف کی مہارت کا یہ حال تھا کہ اکابر صوفیہ ومشائخ کی نگاہ میں مشار الیہ رہے۔ آیئے اس تعلق سے حضور مفتی اعظم ہند اور دیگر علماء ومشائخ کے تاثرات ملاحظہ کریں۔

(۱) تاجدار اہلسنت سرکار مفتی اعظم ہند فرمایا کرتے تھے کہ ''ہندوستان میں باشرع، متدین، صوفی عالم، دیکھنا ہو تو پورنیہ کے مولانا غلام محمد یٰسین رشیدی کو دیکھو۔'' (شیخ الاسلام حیات ومکتوبات، ص ۱۵۶)

(۲) خلیفہ وداماد اعلیٰ حضرت حکیم الامت علامہ حسنین رضا خاں علیہ الرحمہ نے فرمایا ''حضرت مولانا غلام محمد یٰسین رشید کی علوم شریعت وطریقت میں گہرائی کا جواب ہندوستان میں ڈھونڈنے سے ہی ملے گا مگر تم پورنیہ والے ان کو کیا جانو؟'' (ایضاً، ص ۱۵۶)

(۳) عارف باللہ حضرت سید محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد مبارک ''مولانا (شیخ الاسلام) علم کے سمندر ہیں''۔ (ایضاً، ص ۲۴۳)

(۴) پاسبان ملت حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک موقع سے فرمایا ''حضرت (شیخ الاسلام) کو کون نہیں جانتا وہ تو علماء اہلسنت کے سرتاجوں میں سے ہیں''۔ (ایضاً، ص ۱۹۷)

(۵) شمس العلماء حضرت مفتی محمد نظام الدین بلیاوی علیہ الرحمہ نے فرمایا ''حضرت مولانا غلام محمد یٰسین صاحب قدس سرہٗ کا ظاہر وباطن دونوں منور تھا۔'' (ایضاً، ص ۲۲۶)

(۶) امام علم وفن حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین کا ارشاد گرامی ہے "سید ی وسندی مرشدی حضور مفتی اعظم ہند کے بعد ان دونوں (شیخ الاسلام اور حضور مجاہد ملت) بزرگوں کو میں نے جس میدان میں اور جس زاویے سے دیکھا اس میں یکتائے روز اور فقید المثال پایا۔ میری آنکھوں نے اپنی حیات میں ان جیسا باعمل وبارعب اور ذی استعداد عالم نہیں دیکھا۔" (امام علم وفن نمبر، ۱۶۳)

(۷) پیر طریقت حضرت علامہ ومولانا عرفان علی رشیدی نے فرمایا "حضرت مولانا غلام محمد یٰسین علیمی رشیدی عارف باللہ اور ولی کامل تھے"۔ شیخ الاسلام حیات ومکتوبات، ص ۲۲۶)

(۸) مناظر اہلسنت فقیہ النفس حضرت مفتی محمد مطیع الرحمن رضوی نے فرمایا "حضرت مولانا (شیخ الاسلام) کے زمانے میں ان جیسا عالم تصوف اور عالم علوم وفنون نہ تھا۔" (ایضاً ص ۲۲۶)

(۹) مقبول العلماء حضرت علامہ خواجہ مقبول احمد صاحب قبلہ جو حضرت شیخ الاسلام کے صحبت یافتہ ہیں فرماتے ہیں: "میں نے حضرت زعیم العلماء جیسا مدبر، حاضر دماغ، عبادت ومعمولات کا پابند عالم نہیں دیکھا۔ بڑی بااصول شخصیت کے آپ مالک تھے۔ انہوں نے بھی تنہا ایک جماعت کا کام کیا ہے۔" (ایضاً ص ۱۹۹)

تدریسی خدمات:

حضور شیخ الاسلام جب حصول علم دین سے فارغ ہو گئے تو مشائخ بریلی خصوصاً حضور مفتی اعظم ہند نہیں چاہتے تھے کہ مولانا غلام محمد یٰسین صاحب کہیں پر جائیں چنانچہ حضور مفتی اعظم ہند کے ایماء اور اشارے پر مرزائی مسجد کہنہ شہر جہاں جامعہ رضویہ قائم تھا آپ اس کے صدر منتخب ہوئے۔ تقریباً آٹھ سال تک وہیں مصلۂ امامت پر امامت، منبر خطابت پر خطابت، دار الافتاء میں فتویٰ نویسی اور مسند تدریس پر درس دیتے رہے۔ جس زمانے میں آپ بریلی شریف میں تدریسی امور پر مامور تھے اسی دوران رشتۂ ازدواج سے منسلک ہو گئے تھے۔ اہل خاندان کو یہ دوری پسند نہیں تھی چنانچہ ۱۹۶۱ء میں برہان پورنیہ جلالۃ العلم والارشاد مولانا شاہ محمد یوسف رشیدی علیمی علیہ الرحمہ کا قائم کردہ ادارہ مدرسہ فیاض المسلمین بائسی میں بحیثیت مدرس منتقل ہو گئے اور آپ نے یہاں تقریباً ڈیڑھ سال تدریسی فریضہ انجام دیا۔ جلالۃ العلم والارشاد نے خانقاہ رشیدیہ کے بانی قطب الاقطاب حضرت شیخ محمد رشید رحمۃ اللہ علیہ کے والد حضرت شیخ مصطفی جمال الحق بندگی علیہ الرحمہ کے نام سے موسوم ۱۳۶۲ھ میں خانقاہ رشیدیہ چمنی بازار شریف میں دوسرا مدرسہ دار العلوم مصطفائیہ قائم فرمایا جہاں مدرس کی ضرورت تھی۔ چنانچہ حضرت شیخ الاسلام بحیثیت استاد بحال ہو گئے اور ولی العصر حضرت مولانا سکندر علی رشیدی علیمی علیہ الرحمہ کی نظامت ونگرانی اور بانی مدرسہ حضرت جلالۃ العلم کے اہتمام میں ایک زمانے تک تدریسی کام انجام دیتے رہے۔ لیکن جب ۱۳۶۳ھ میں حضرت مولانا سکندر علی رشیدی اور ۱۳۶۴ھ جلالۃ العلم والارشاد کا وصال ہو گیا تو تدریس ونظامت دونوں امور انجام دینے لگے جس کا سلسلہ وفات سے دو دن قبل تک چلتا رہا۔ حضرت شیخ الاسلام نے تقریباً اسی (۸۰) برس عمر پائی اور قریب ۵۵ سال درس وتدریس سے منسلک رہے۔ بریلی شریف سے چمنی بازار شریف تک ہزاروں تشنگان علوم معرفت نے اپنی پیاس بجھائی جو سب کے سب آسمان علم وفضل کے شمس وقمر بن کے چمکے۔ ان میں سے چند کے اسماء ملاحظہ کریں جن سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جب تلامذہ کے علم وتقویٰ کا یہ عالم تو اس مرد قلندر کا عالم کیا ہوگا کیوں کہ درخت کی شناخت پھل سے ہوتی ہے۔

(۱) امین شریعت حضرت علامہ مفتی سبطین رضا قادری بریلی شریف علیہ الرحمہ
(۲) صدر العلماء حضرت علامہ مفتی تحسین رضا قادری محدث بریلوی علیہ الرحمہ
(۳) حضرت علامہ حکیم اعجاز علی خاں بریلی شریف
(۴) فقیہ عصر پیر طریقت حضرت علامہ مفتی عبید الرحمن رشیدی سجادہ نشیں خانقاہ رشیدیہ جونپور شریف۔
(۵) حضرت علامہ مفتی محمد ہاشم یوسفی رشیدی ہری پور پورنیہ
(۶) عالم باعمل حضرت مولانا عبد الرشید رشیدی بائسی پورنیہ
(۷) حضرت علامہ محمد سجاد عالم رشیدی سکندر پور بلیا یوپی
(۸) حضرت علامہ محمود عالی رشیدی امور پورنیہ
(۹) حضرت علامہ مفتی ذو الفقار علی رشیدی، دیناجپور بنگال

بیعت وخلافت:

سلسلہ رشیدیہ کے سجادہ نشیں مشہور بزرگ شہود الحق حضرت سید شاہ شاہد علی سبز پوش گورکھپوری علیہ الرحمہ (متولد ۱۳۰۷ھ) آپ کو مرشد طریقت واجازت تھے۔ جس زمانے میں حضرت شیخ الاسلام دار العلوم مصطفائیہ چمنی بازار شریف میں مدرس وناظم کے منصب پر فائز تھے۔ اسی دوران آپ کے مرشد گرامی کی ۶/ ذی قعدہ ۱۳۷۱ھ مطابق ۲۷/ جولائی

۱۹۵۲ء میں وفات ہوگئی۔ حضور سبز پوش علیہ الرحمہ کے انتقال کے بعد ان کی جگہ ان کے صاحبزادے منظور الحق حضرت سید شاہ مصطفی علی شہید سبز پوش سلسلہ رشیدیہ کے متولی وصاحب سجادہ منتخب ہوئے یہ شہید علیہ الرحمہ بھی حضرت شیخ الاسلام کے مرشد اجازت تھے۔ حضرت مصطفی علی شہید سبز پوش کی شہادت کے بعد سلسلہ رشیدیہ کے متولی حضرت سید شاہ ہاشم بابو سبز پوش چنے گئے اور حضرت شیخ الاسلام مختار عام منتخب ہوئے۔ اب حال یہ ہوگیا کہ ایک طرف دار العلوم مصطفائیہ کی تدریس ونظامت کی خدمت اور ایک طرف خانقاہ رشیدیہ کی ذمہ داریاں لیکن آپ نے جس کمال ہنر مندی، صلاحیت ولیاقت، جدوجہد، خود اعتمادی، خدا اعتمادی اور پیران رشیدی کی اطاعت گزاری کے بل پر دین متین کی ترویج واشاعت، سلسلہ رشیدیہ کا فروغ واستحکام، دار العلوم مصطفائیہ کی تعلیمی وتعمیری ترقی، جونپور، گورکھپور، سکندر پور اور چمنی بازار وغیرہ کی خانقاہوں کی تعمیرات، جملہ اعراس کا اہتمام سلسلہ رشیدیہ کے متعلقہ تمام مدارس کی سرپرستی ونگرانی اور دار العلوم تنظیم المسلمین بائسی کی سرپرستی ونگرانی ان امور کو انجام دیا وقابل رشک وتقلید اور آپ کی بلند ہمتی کی بین دلیل ہے۔

مسلک اعلیٰ حضرت پر قائم ودائم رہنے کی نصیحت:

حضرت شیخ الاسلام حیات مستعار کی آخری بہار تک درس وتدریس، تقریر وبیان، بحث ومناظرہ اور بیعت وارشاد کی وساطت سے مسلک اہل سنت وجماعت مسلک اعلیٰ حضرت کی خدمات انجام دیتے رہے۔ عقاید کے معاملے میں کسی بھی طرح کی کوئی مداہنت ورعایت گوارا نہیں فرماتے آپ کے مریدین میں عوام الناس کے علاوہ علماء، شرفاء، پروفیسران ہیں جو ہندو پاک اور بنگلہ دیش میں پھیلے ہوئے ہیں۔ آپ ہمیشہ اپنے ماننے والوں کو بدمذہبوں سے دور ونفور کی تعلیم عقائد اہل سنت پر مضبوطی سے کار بند رہنے کی تلقین فرائض وواجبات کی بجا آوری کا حکم اور مسلک اعلیٰ حضرت پر قائم ودائم رہنے کی نصیحت فرماتے۔ چنانچہ حضرت شیخ الاسلام کے خلیفہ ومجاز صحبت یافتہ سلسلۂ رشیدیہ کے عظیم مرشد ومبلغ حضرت علامہ مفتی طیب رشیدی پورنوی مدظلہ العالی لکھتے ہیں:

"ہمیشہ سب کو اہل سنت وجماعت میں مستحکم ومضبوط عقیدے پر رہنے کی تعلیم وتلقین فرماتے بالخصوص امام اہل سنت مجدد دین وملت سیدی سندی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی قدس سرہٗ کے مسلک کے مطابق اپنا عقیدہ صادقہ مضبوط ومستحکم رکھنے کی ہدایت فرماتے۔ صوفیا ومشائخ کے دعوتی مشن کے مطابق خواص وعوام کو مخاطب کرتے ہوئے سیدی سرکار امام اہل سنت مجدد دین وملت عظیم البرکت اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی عقیدت محبت دل میں ڈالتے اور فرماتے کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے اپنی کتابوں میں جو کچھ عقائد حقہ کے بارے میں فرمایا ہے حق فرمایا ہے اور عقائد باطلہ سے دور رہنے اور باطل سمجھنے کو لکھا ہے، صحیح فرمایا ہے۔" (شیخ الاسلام حیات ومکتوبات، ص ۱۷۸، ۱۷۹)

ہم اعلیٰ حضرت پر آنکھیں بند کر کے اعتماد کرتے ہیں:

ایک بار حضرت شیخ الاسلام والمسلمین قدس سرہٗ نے امام علم وفن علامہ خواجہ مظفر حسین علیہ الرحمہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا "خواجہ صاحب! آپ کو دیکھ کر یا سن کر رضوی بنے ہیں، ہم تو بن دیکھے بغیر سنے رضوی ہیں۔ ہم تو اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ پر آنکھیں بند کر کے اعتماد کرتے ہیں۔

پس منظر:

پس منظر اس کا یہ ہے، اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا ایک اہم فتویٰ سرکار آسی علیہ الرحمہ کے یہاں تصدیق کے لیے بھیجا گیا خادموں نے سرکار آسی علیہ الرحمہ سے عرض کیا کہ یہ بریلی کے مولانا احمد رضا کا فتویٰ ہے تصدیق کے لیے آیا ہے۔ حضرت سرکار آسی علیہ الرحمۃ نے فرمایا بریلی کے مولانا احمد رضا خان کا فتویٰ دیکھنا سننا کیا ہے لاؤ آنکھیں بند کر کے تصدیق کر دو۔ حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمہ کا جملہ ہم تو بن دیکھے بغیر سنے رضوی ہیں، اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ امام علم وفن فرماتے تھے کہ حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمہ اعلیٰ حضرت کے خلف اکبر حضور حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا سے بھی حد درجہ متاثر اور کامل اعتماد رکھتے تھے، فرماتے تھے اگر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نہ ہوتے تو حجۃ الاسلام علیہ الرحمۃ اعلیٰ حضرت ہوتے اور حسن وجمال کے بارے میں فرماتے ایسا حسین وجمیل وجیہ وشکیل عالم ہندوستان میں دوسرا نہیں تھا۔ (کاملان پورنیہ، ص ۳۱۹)

حضور مفتی اعظم ہند اور شیخ الاسلام:

حضرت شیخ الاسلام حضور مفتی اعظم ہند کے چہیتے اور منظور نظر تھے نگاہ لطف وعنایت فرماتے مجلس میں مناسب مقام عطا فرماتے چنانچہ حضرت شیخ الاسلام کے تلمیذ خاص وفیض یافتہ حضرت علامہ شائق عالم رشیدی استاذ مدرسہ سراج العلوم، مدرسہ حامدیہ اشرفیہ جامع

مسجد روڈ سنبھل یوپی رقمطراز ہیں:

غالباً ۱۹۷۰ء میں گھسکی ٹولہ (بائسی پورنیہ) میں ایک عظیم الشان کانفرنس منعقد ہوئی تھی جس میں تاجدار اہل سنت پیکر علم وعمل وارث علوم امام احمد رضا حضور مفتی اعظم ہند کی آمد کا علم ہوا تو بعد نماز عشاء بذریعہ بیل گاڑی سرکار مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کی ملاقات وزیارت کے لیے گھسکی ٹولہ تشریف لائے سردی کا موسم تھا حضرت شیخ الاسلام نے چادر اوڑھ لی تا کہ اہل جلسہ ان کو نہ پہچان سکیں بالکل مجمع کے اخیر میں بیٹھ گئے مجھ سے منشی محمد ایوب صاحب اور منشی محمد عبدالجبار صاحب مرحوم ساکنان مہیش بتھنہ نے بیان کیا اچانک سرکار مفتی اعظم ہند کھڑے ہوئے خادم سے فرمایا جوتی لاؤ اور اہل منبر سے فرمایا سب لوگ بیٹھے رہیں میرا حکم ہے۔ حضرت اسٹیج سے اتر کر وہاں پہنچے جہاں زعیم العلماء حضرت شیخ الاسلام بیٹھے تھے، فرمایا: مولانا! یہ جگہ آپ کی نہیں ہے ان کا ہاتھ پکڑا اور اسٹیج پر لائے۔ (شیخ الاسلام حیات ومکتوبات، ص ۱۹۷)

حضرت شیخ الاسلام بھی حضور مفتی اعظم ہند سے حد درجہ محبت وعقیدت رکھتے تھے مربی صادق اور مشفق ومہربان سمجھتے ۱۹۶۲ء کی بات ہے آپ ہی کی دعوت پر حضور مفتی اعظم ہند کی پہلی بار بائسی پورنیہ میں ایک عظیم الشان کانفرنس میں آمد ہوئی تھی جس کانفرنس کا عنوان تھا ''افق پورنیہ پر آفتاب سنیت کا طلوع''، حضور مفتی اعظم ہند کا جس والہانہ جوش وخروش کے ساتھ استقبال کیا گیا تھا کہ جب حضور مفتی اعظم ہند تبلیغ رشد وہدایت کے بعد بریلی شریف واپس ہو رہے تھے تو آپ نے اہل پورنیہ کو بہت ساری دعاؤں سے نوازا اور یہ تاریخی جملہ فرمایا ''ایسا جوش استقبال اور جوش محبت پہلی بار دیکھا گیا خدا آپ حضرات کو بے پناہ برکات وحسنات سے نوازے''

راقم الحروف (غلام سرور قادری مصباحی) سے حضرت مولانا فیاض عالم رشیدی بنی باڑی کٹیہار جو حضرت شیخ الاسلام کے مرید صادق اور چہیتے شاگرد ہیں بیان فرمایا کہ جس زمانے میں میں دار العلوم مصطفائیہ چمنی بازار شریف میں زیر تعلیم تھا ایک دفعہ تاجدار اہل سنت حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہٗ خانقاہ رشیدیہ چمنی بازار شریف تشریف لائے تقریباً ایک ہفتہ قیام فرمایا جب حضور مفتی اعظم ہند بریلی شریف تشریف لے جانے لگے تو حضرت شیخ الاسلام غلام محمد یسین صاحب نے بارگاہ مفتی اعظم ہند میں کچھ نذر پیش کی تو حضور مفتی اعظم ہند نے فرمایا: میرا یہ معمول وطریقہ نہیں ہے، تو حضرت شیخ الاسلام نے فرمایا: لیکن خانقاہ رشیدیہ کا یہ معمول ہے کہ اپنے بزرگوں کی بارگاہ میں کچھ نذر پیش کرتے ہیں۔ میں نے پڑھا ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جب امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار اقدس پر حاضر ہوتے تو امام اعظم کے مذہب ومسلک کے مطابق نمازیں ادا فرماتے، چنانچہ حضور مفتی اعظم ہند نے نذر قبول فرمالیا اور بریلی شریف روانہ ہوگئے۔

حضرت شیخ الاسلام کے پاس جب یہ جانکاہ خبر پہونچی کہ تاجدار اہل سنت حضور مفتی اعظم ہند وصال فرما گئے تو آپ رنج والم میں غرق ہو گئے۔ اور حضور مفتی اعظم ہند کی روح پر فتوح کو ایصار ثواب کے لیے ایک مجلس منعقد کی جس میں دار العلوم مصطفائیہ کے اساتذہ طلباء اور اراکین موجود تھے ارو ایک تعزیت نامہ حضرت مولانا خالد رضا بریلوی کے نام ارسال فرمایا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وہ تعزیت نامہ یہاں درج کردوں۔

بقیۃ السلف حجۃ الخلف حضرت مولانا خالد رضا خاں صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آج ۲۰ ر محرم الحرام کو حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہٗ کے وصال کا علم اشکبار آنکھوں کے ساتھ سوگوار ماحول میں طلباء مدرسین وحاضرین خانقاہ مصطفائیہ رشیدیہ نے محفل قل وقرآن خوانی منعقد کی۔ ایصال ثواب اور دعائے رحمت ومغفرت کے بعد حضرت مفتی اعظم ہند قدس سرہٗ کی دینی خدمات اور اعلائے کلمۃ الحق کے لیے لازوال قربانیاں اور محاسن اخلاق مذکور ہوئے اور پسماندگان کے لیے صبر جمیل اور سیرت مصطفوی پر مستقیم رہنے کی دعائیں کی گئیں۔ باری تعالیٰ حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہٗ کو فرادیس سے جناں میں قرب خاص سے نوازے اور ان کی حیات ابدی فیض سرمدی سے ہم مسترشدین کو فیضیاب وسیراب فرمائے۔

سچ ہے موت العالِم موت العالَم، ایسا لگتا ہے کہ سنیت کی دنیا سونی پڑ گئی اور سنیوں پر مردنی چھا گئی، باری تعالیٰ اس خانوادہ سے ان جیسا آفتاب جہاں تاب پیدا فرمائے کہ جس کے انوار سے سنیت کی دنیا جگمگا اُٹھے وما ذالک علی اللہ بعزیز۔

ہم آپ کے سوگ میں برابر کے شریک ہیں کہ ہم پر بھی حضور کا کرم کسی سے کم نہ تھا حضرت مولانا تحسین رضا خاں مدظلہ، حضرت مولانا ریحان رضا خان مدظلہ، حضرت مولانا اختر رضا خان مدظلہ، کی

خدمات عالیہ میں سلام مسنون بوحدۃ مضمون عرض ہے۔ فقط والسلام۔
غمزدہ غلام محمد یٰسین غفرلہٗ
۲۰ محرم الحرام ۱۴۰۲ھ

حضرت شیخ الاسلام اور تاج الشریعہ:

حضرت شیخ الاسلام من لم یرحم صغیرنا ولم یوقر کبیرنا فلیس منا، حدیث پاک کی تصویر غریب پرور، مہمان نواز، علم دوست، جوہر شناس تھے نسبت کا حددرجہ احترام کرتے تھے۔ علماء عصر پر ان کا علمی دبدبہ رہنے کے باوجود تواضع انکساری کرتے اپنے بٹھاتے اور ان کی عزت کرتے۔ حضور تاج الشریعہ علامہ اختر رضا ازہری سے بے پناہ محبت کرتے ان کا ادب کرتے تھے اور حضور تاج الشریعہ بھی حضرت شیخ الاسلام کی تعظیم بجالاتے اور ادب کرتے۔ حضرت شیخ الاسلام کے رشتہ دار شاگرد خاص اور خادم خاص حضرت مولانا محمد نور عالم رشیدی پرنسپل مدرسہ سراج العلوم حامدیہ اشرفیہ جامد مسجد روڈ سنبھل یوپی تواضع واہتمام کا ایک خاص واقعہ ۱۹۷۸ء کا ہے تحریر فرماتے ہیں:

"جمال الاولیاء شیخ جمال الحق مصطفی بندی قدس سرہٗ کا پاک ہر سال ذی الحجہ کو ہوا کرتا ہے۔ اس سال بھی تزک واہتمام کے ساتھ منایا جارہا تھا۔ جانشین حضور مفتی اعظم ہند حضرت علامہ اختر رضا ازہری میاں قبلہ اور پاسبان ملت حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی صاحب قبلہ پورنیہ کے دورے پر تھے۔ جب ان حضرات کو معتبر ذرائع سے یہ معلوم ہوا کہ اس تاریخ کو اس دن حضرت شیخ مصطفی بندی علیہ الرحمہ کا عرس پاک ہے جو قطب الاقطاب حضرت شیخ محمد رشید رحمۃ اللہ علیہ مصنف مناظرہ رشیدیہ وبانی خانقاہ رشیدیہ جونپور شریف، پدر بزرگوار اور پیر مرشد ہیں اور ان کا مزار فائض الانوار، اطراف میں مرجع خالائق ہے۔"

تو یہ دونوں حضرات عرس شرکت اور حضرت ولا سے ملاقات کی غرض درگاہ شریف تشریف لائے۔ حضرت والا اپنے حجرے میں مقامی وبیرونی مریدین وزائرین سے محو گفتگو تھے دارُ العلوم مصطفائیہ کے ایک مدرس نے آکر حضرت والا کو یہ اطلاع دی کہ حضرت علامہ ازہری میاں صاحب مدظلہٗ اور حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی صاحب تشریف لائے ہیں۔ یہ خبر سن کر حضرت والا کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ اتنے میں یہ دونوں حضرات حضرت والا کے حجرہ خاص میں تشریف لائے۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ حضور ازہری میاں مدظلہٗ العالی حضرت والا کی دست بوسی کرنا چاہتے تھے۔ لیکن حضرت والا نے فوراً اپنا ہاتھ کھینچ لیا پھر حضر والا بیٹھنے کے لیے اپنی خاص نشست پیش کی۔ لیکن حضرت علامہ ازہری میاں مدظلہٗ اس نشست پر بیٹھنے سے ادباً کترا گئے۔ حضرت علامہ نظامی صاحب سے بھی یہی سلوک کیا۔ ان حضرات کی تواضع میں حضرت والا بھی اپنی نشست سے کھسک گئے اور پھر تینوں حضرات فرش پر تشریف فرما ہوئے۔

یہ خاکسار چائے ناشتہ کے انتظام میں لگ گیا کہ یہ خدمت وذمہ داری مجھ ناچیز ہی کے ذمہ تھی اور نعمت کھانے کی چابی میرے پاس رہا کرتی تھی۔ جیسا مہمان ہوتا ویسا سمان ہوا کرتا۔ حضرت والا کے اشارے آبرو پا کر میں انواع واقسام کا ناشتہ در ستر خوان پر سجادیا اور بہترین چائے بنا کر پیش کیا۔ دوران چائے نوشی ان حضرات کی علمی گفتگو ہوتی رہی میں کنارے پر بیٹھ کر سنتا رہا۔ اور خدمت کے آداب بجالاتا رہا۔ علم وعرفان کی یہ وہ نورانی صحبت تھی جس کی منظر کشی بذریعہ الفاظ نہیں کی جاسکتی۔ اور نہ ہی اس وقت اتنا خیال تھا۔

چائے نوشی اور تفصیلی گفتگو کے بعد حضرت والا نے ان حضرات سے فرمایا مولانا مشتاق احمد صاحب آپ حضرت جمال الاولیا بندگی علیہ الرحمہ کا عرس پاک ہے آپ کو تقریر کرنی ہے۔ علامہ نظامی علیہ الرحمہ نے باادب جواب دیا کہ حضور میں تقریر نہیں کرتا ہوں حضرت والا نے فرمایا: نہیں تقریر تو آپ ہی کو کرنی ہے۔ تب علامہ نظامی صاحب نے جواب دیا حضور تقریر تو میں کرونگا مگر ایک شرط ہے وہ یہ ہے کہ جب میں تقریر کروں تو آپ جلسہ گاہ میں تشریف نہیں لائیں گے۔ حضرت والا نے فرمایا ٹھیک ہے کیا میں باگھ ہوں؟ کھاجاؤنگا۔ حضرت والا نے اس شرط کی اخیر وقت تک پابندی فرمائی۔ قیام گاہ ہی سے ان کی اور حضرت علامہ ازہری میاں قبلہ کی تقریر سماعت فرمائی۔ یہ ہے حضور والا پاس ادب اور علمائے عصر پر حضرت والا کا علمی وشخصی رعب واثر۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان حضرات گرامی والا وقار کے حسن ادب ومحبت کا صدقہ عطا فرمائے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو بزرگوں کی تعظیم اور ان کے احسانات کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

□□□

اظہار خیالات

علمی ادبی مذہبی اور ملی سیاسی مسائل پہ اہل علم قارئین کا بے لاگ تبصرہ

الرضا انٹرنیشنل کے اداریوں کا مجموعہ

''تنقید برمحل'' میری نظر میں

■ طارق انور مصباحی

مدیر: ماہنامہ پیغام شریعت (دہلی)

فاضل اہل سنن، نازش فکر وفن حضرت علامہ مفتی ڈاکٹر محمد امجد رضا امجد (پٹنہ) 18 نومبر ۲۰۱۷ء کو جامعہ حضرت بلال (بنگلور) تشریف لائے۔ اسی روز شام کو ''امام احمد رضا کانفرنس'' (سید عبدالقدوس عیدگاہ میدان: بنگلور) میں امام احمد رضا اور نعت خوانی مصطفےٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کے موضوع پر علمی خطاب فرمایا، اور یہ بہت عمدہ، دلنشیں، بصیرت افروز اور افادہ بخش خطاب تھا۔ 19 نومبر کو آپ نے ہمیں ایک رسالہ ''تنقید برمحل'' عطا فرمایا۔ یہ رسالہ دراصل دوماہی ''الرضا'' انٹرنیشنل (پٹنہ) کے سات اداریوں کا مجموعہ ہے، جسے کتابی شکل میں ''تنقید برمحل'' کے نام سے جماعت رضائے مصطفےٰ (ناگپور) نے شائع کیا ہے۔

ڈاکٹر موصوف کی ادارتی تحریریں میرے لیے اجنبی نہیں تھیں۔ وہ تمام اداریے میں ''الرضا'' میں پڑھ چکا تھا۔ میں ان تحریروں کو وقت کی ایک اہم ضرورت سمجھتا رہا ہوں۔ چونکہ دوماہی ''الرضا'' اہل سنت وجماعت کے داخلی مسائل کا قابل قبول حل پیش کرتا جارہا ہے، اس لیے میں نے ماہنامہ ''پیغام شریعت'' (دہلی) میں ان موضوعات کو شامل کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ میں مسلمانان اہل سنت وجماعت سے عرض کرتا ہوں کہ مسلکی مسائل کا خوشنما حل دوماہی ''الرضا'' میں موجود ہوتا ہے، اس لیے اس قسم کی صالح تحریروں کے لیے اسی رسالہ کی جانب رجوع کریں۔ عہد حاضر میں بعض لوگ سنی بن کر سنیت کی شکل بگاڑ رہے ہیں اور خود کو مجدد و مجتہد سے کسی طرح کم نہیں سمجھتے۔

ڈاکٹر موصوف جو کچھ تحریر فرما رہے ہیں، اس سے صرف اس قدر مقصود ہے کہ عہد حاضر کے چند نو فارغین کو اگر اسلاف اہل سنت و جماعت کے معمولات ومراسم سے متعلق کسی قسم کی غلط فہمی ہے تو اسے وہ دور کرلیں، پھر ایک اہم مقصد قوم کو ایسی تحریروں کے اثرات بد سے محفوظ رکھنا ہے۔ ڈاکٹر موصوف سے بالمشافہہ بات چیت سے بھی یہی کچھ مقاصد ظاہر ہوئے۔ میں ڈاکٹر صاحب اور ان کے رفقائے کار کی ان تحریروں پر بے پناہ مسرت وشادمانی کا اظہار کرتا ہوں، اور ان تمام کی تحریروں کو قوم وملت کے حق میں فائدہ بخش سمجھتا ہوں۔ متلاشیان حق کے لیے یہ روشن تحریریں مینارۂ ہدایت ہیں۔ ہاں، اس دوماہی کو ''ماہانہ'' ہوجانا چاہئے تھا۔ اللہ تعالیٰ وسائل مہیا فرمادے: آمین

عہد اخیر میں اہل سنت وجماعت کو اپنے عقائد ومعمولات کا عظیم ذخیرہ امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری (۱۸۵۶ء-۱۹۲۱ء) کے ہاتھوں دستیاب ہوا۔ ان کے عہد میں بہت سے نو حادث عقائد ومسائل بھی رونما ہوئے۔ ان عقائد ومسائل کی تشریحات متقدمین نے حسب ضرورت اپنی کتابوں میں کردی تھیں۔ امام اہل سنت نے اسلاف کرام کی تحریروں کو تلاش وتتبع کے بعد یکجا فرمادیا۔ بعض مسائل میں لوگ مرجوح صورت اپنا رہے تھے، تو امام احمد رضا نے اس کی راجح صورت بیان فرمائی، اور حسب عادت ہر موضوع پر دلیلوں کی بارشیں برسادیں۔ ان کی جانب سے دین ومسلک کی یہ مخلصانہ وبلا معاوضہ خدمات پر انہیں دعائیں دی جانی چاہئے۔ ان پر طعن وتنقید کرنا دستور احسان شناسی کے برخلاف ہے۔

عہد حاضر کے چند نو فارغین کی بے اعتدالیاں یقیناً قابل تشویش ہیں۔ ڈاکٹر موصوف سے بصد ادب عرض ہے کہ اس موضوع پر اپنی تحریری کاوشیں جاری رکھیں اور ان نو فارغین سے بھی ہمدردانہ التماس ہے کہ اپنے افکار ونظریات پر نظر ثانی کریں۔ جب آپ امام احمد رضا جیسے مقبول دربار رسالت کو قبول نہیں کر پا رہے ہیں تو قوم آپ کو کیسے قبول کرسکتی ہے؟ عہد ماضی کے گمراہ فرقوں کے بانیوں اور لیڈروں کی تاریخیں پڑھ لیں۔ آج معتزلہ، کرامیہ، جہمیہ، قدریہ وغیرہا بے شمار فرقوں کے صرف نام کتابوں میں محفوظ رہ گئے۔ اب کوئی ان کا نام لیوا دنیا میں نہ رہا۔ امام احمد رضا کے مقابل کھڑے ہونے کے

لیے محض ان کی علمی تحقیقات و اکتشافات پر نظر جمالینا خام خیالی ہوگی۔

دین اسلام کے پیغمبر ہمارے سردار و شفیع حبیب کبریا خاتم الانبیا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قیامت تک اس مذہب کے پیغمبر اور دین و مذہب کے ذمہ دار ہیں۔ رب تعالیٰ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دنیا و آخرت کا اختیار عطا فرمایا، بلکہ ہر پیغمبر کو ایسا اختیار در بارالٰہی سے عطا ہوتا ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ نے قرب بارگاہ صمدیت کو پسند فرمایا اور دین اسلام کی ذمہ داری اپنے نائبین کے سپرد فرمادی۔ نائب کو اگر اصل کی ضرورت ہو تو لامحالہ اصل کو اس کی دستگیری کرنی ہے، بس اسی طرح قیامت تک دین اسلام کا کام چلے گا۔ ہر عہد میں مذہب وملت کے خاص رہنماؤں کو دربار اعظم سے رہنمائی فراہم ہوتی رہی ہے۔ اس امر کے ثبوت کے لیے بہت سے واقعات و روایات کتابوں میں موجود ہیں۔

متعدد روایات و واقعات ثابت کرتے ہیں کہ امام احمد رضا قادری بھی ان افراد میں شامل ہیں، جنہیں دربار اعظم سے موقع بموقع رہنمائی فراہم ہوئی ہے۔ ان کے ظاہری حالات سے یہ کچھ بعید نہیں، کیونکہ اس سعادت عظمٰی کے لیے صحیح العقیدہ مومن ہونے کے ساتھ اتباع شریعت اور تقویٰ شرط ہے۔ فساق و فجار کے لیے دربار اعظم میں اس نعمت کی گنجائش نظر نہیں آتی۔ ہاں، شفاعت اور فضل و احسان کا استحقاق اہل کبائر مومنین کے لیے بھی ثابت ہے۔ اب ان نو فارغین میں کون ہے، جو تقویٰ اور اتباع شریعت میں امام احمد رضا کی طرح ہو؟

مزید برآں عشق مصطفوی و محبت نبوی کے سبب امام احمد رضا نے دربار رسالت میں قبولیت کا ایک اضافی وسیلہ بھی اختیار کر لیا تھا، پھر اس قدر روحانی اور علمی نعمتوں سے سرفراز کیے گئے کہ اولیا اپنے طور پر اعتراف کرتے ہیں اور علما و فقہا اپنے اعتبار سے حقائق کو تسلیم کرتے ہیں۔ عامۃ المسلمین اپنی معلومات کے مطابق انہیں اپنا قائد و رہبر تسلیم کرتے ہیں۔

امام احمد رضا قادری کے اتباع شرع، عشق مصطفوی اور عوام وخواص میں ان کی اعتقادی تشریحات و فقہی ترجیحات کی قبولیت کو دیکھ کر یہی محسوس ہوتا ہے کہ ان کی تحریریں دربار رسالت م آب علیہ التحیۃ والثناء سے قبولیت یافتہ ہیں۔ اب ایسی صورت میں ان کے مقابل آنے کا نتیجہ دنیا و آخرت کی تباہی کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔

ہاں، یہ ہوسکتا ہے کہ گمراہ گر کی جانب سے کوئی خلاف شرع امر سامنے آئے تو بنی آدم میں سے اس کے متبعین و پیروکار کی بھی ایک جماعت تیار ہوجائے۔ ہر گمرہی کی پیروی کرنے والے کچھ نہ کچھ لوگ ضرور ہوئے ہیں۔ جن کے دلوں میں گمرہی کا مادہ ہوتا ہے، شیطان اسے خوب ورغلاتا ہے، یہاں تک کہ اس منزل پر لا کھڑا کرتا ہے، جہاں شیطان اسے لانا چاہتا ہے۔

تعجب ہوتا ہے کہ یہ چند نو فارغین جو علم و فضل میں قوی یا پختہ کار بھی نہیں، وہ اپنی تحریروں میں ان امور کو پیش کرتے ہیں، جن کے دقائق و حقائق کا انہیں کامل علم بھی نہیں۔ حیا بھی ایمان کا ایک شعبہ ہے۔ ہاں، بے حیا بن جاؤ، پھر جو چاہو، کرو۔ ''بے حیا باش وہر چہ خواہی کن''۔

نو فارغین کی یہ کوئی ایک تحریر اس قسم کی نہیں ہے، بلکہ وہ متعدد امور پر طبع آزمائی کر رہے ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ان کا مقصود و منشا کیا ہے؟ قوم کو ایسی تحریروں سے آگاہ کرنا ضروری ہے۔ اس جدید گروپ سے بھی گفت و شنید کی جانی چاہئے۔ ڈاکٹر موصوف دراصل اسلاف کرام کی وراثتوں کا تحفظ فرما رہے ہیں۔ اس کار خیر میں تائید و عمل ہر اعتبار سے ہم ان کے ساتھ ہیں: جزاہم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔ آمین

حالیہ چند سالوں میں طاعون جارف کی طرح پھوٹ پڑنے والی چند برائیوں سے میں حد درجہ نالاں ہوں، اور سخت بیزاری کا اظہار کرتا ہوں۔ شاید اس اظہار حقیقت پر کسی کو کچھ قلبی دکھ بھی ہو، لیکن بوجہ ضرورت صفحات قرطاس پر نقل کرتا ہوں اور تمام احباب کو دعوت فکر دیتا ہوں، نیز خدام دین متین کو کسی کے قلبی واردات پر نظر جمانے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ بس خدا اور سول (عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی رضا مقصود ہے۔ کسی کی رضا و عدم رضا سے انہیں کیا مطلب؟ ہاں، یہ حقیقت بھی صبح تاباں کی طرح روشن و منور ہے کہ عہد حاضر میں حق گوئی بھی ہمت وجرأت کی دلیل ہے۔ اہل باطل جب دلائل سے شکست کھا جاتے ہیں تو ہاتھوں میں ہتھیار اٹھا لیتے ہیں۔ ہاں، وہ امور قبیحہ یہ ہیں۔

(۱) طاہر القادری پاکستانی کے غلط افکار وخیالات (۲) جام نور وخانقاہ سید سراواں سے پھیلنے والی بدعات وخرافات (۳) حسام الحرمین میں بیان کردہ احکام سے انحراف وتاویلات (۴) فقہی اختلافات کے سبب شخصیات پر تنقید و باہمی تنازعات: وغیرہا

☆☆☆

تنقید کرنے سے بہتر ہے کہ خود کچھ کیا جائے

■ مولانا قمر غنی عثمانی قادری

خادم: آستانہ عالیہ چشتیہ نظامیہ
درگاہ حضرت بندگی میاں امیٹھی شریف لکھنؤ

آج جسے دیکھئے مرکز اہلسنت بریلی شریف کو ہدف تنقید بناتا پھرتا ہے، ناقدین میں دو طرح کے لوگ ہیں ایک وہ جن کا کام ہی کمیاں نکالنا ہے، دوسرے وہ جو مخلص ہیں اور مرکز سے بڑی امیدیں وابستہ رکھتے ہیں جب وہ امیدیں پوری ہوتی نظر نہیں آتی ہیں تو انہیں تکلیف ہوتی ہے اور جذبات میں وہ غیر مناسب تنقید کر بیٹھتے ہیں ایسا ہی ایک میسج بھساول مہاراشٹر کی ایک عظیم شخصیت حضرت مولانا سید عبدالحبیب نوری صاحب قبلہ نے کل ایک گروپ میں کیا، میسج دیکھ کر میں بڑا فکر مند ہوا کہ لوگوں کی غلط فہمیوں کو کیسے دور کیا جائے.....

معمول کے مطابق آج بعد فجر بارگاہ سرکار بندگی رضی اللہ عنہ میں حاضری دی، حضرت کے فیض سے دل میں خیال آیا کہ غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لئے کچھ لکھا جائے، لہذا مخلص حضرات کی بارگاہ میں ادب کے ساتھ چند سطریں حاضر خدمت ہیں.

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ" کیا وجہ ہے کہ تینوں خلفا کے زمانے میں فتوحات بہت ہوئیں مگر آپ کے زمانے میں صرف خانہ جنگی ہی ہوئی"؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

''معاملہ یہ ہے کہ ان کے مشیر ہم تھے اور ہمارے مشیر تم ہو''

آج بریلی شریف میں حضور تاج الشریعہ جیسی عظیم الشان مرکزی شخصیت موجود ہے جنہوں نے تنہا نہ جانے کتنے فتنوں کو روک رکھا ہے، رہی بات حضور مفتی اعظم کے دور کی تو ایک بڑا فرق یہ ہے کہ حضور مفتی اعظم رضی اللہ عنہ کے دور میں کئی بڑے اکابر جیسے حضور مجاہد ملت، حضور احسن العلماء، حضور سید العلماء، حضور برہان ملت، حضور مشاہد ملت رضی اللہ عنہم اجمعین جیسی کئی عظیم شخصیات موجود تھیں، یہ وہ نفوس قدسیہ تھیں جو نفسانیت سے پاک، انہوں نے ہر داخلی انتشار کو دبانے کی پوری کوششیں کیں، آج سورت حال بلکل بر خلاف ہے، ہر طرف نفسانیت کا دور دورہ ہے.....پیر، مقرر، شاعر، ناظم (الا ماشاء اللہ) سب اپنی جھوٹی شہرت کے لئے مارکیٹنگ کے نئے نئے طریقہ اپنا رہے ہیں، اگر مقرر، شاعر یا ناظم پیر صاحب کی حسب منشا تعریف نا کریں تو دوبارہ ان کو بلایا ہی نہ جائے گا، کچھ لوگ آج کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی اپنے آپ کو نہ جانے کیسے کیسے القابات سے مارکیٹنگ کے ذریعہ متصف کر رہے ہیں انہیں صرف اپنے پیٹ سے مطلب ہے اور ہمارے عوام آج ایسے ہی لوگوں کے گرویدہ ہیں، ایسے ہی لوگوں کو موٹے موٹے نذرانے دیے جاتے ہیں، ایسے ہی پیروں کے خوب مرید کرائے جاتے ہیں، جس کا انجام یہ ہے کہ کام کرنے والے مخلص افراد نا قدری کا شکار ہیں.

آج تنہا حضور تاج الشریعہ کی ذات ہے جو نا جانے کیسے کیسے فتنوں سے نبرد آزما ہے، اہلسنت کے داخلی انتشار اتنے بڑھ گئے ہیں کہ آج ہم انہی میں الجھ کر رہ گئے ہیں، مراکز میں مفاد پرست اور نا اہل لوگوں کا تسلط ہے جن کی وجہ سے بہت سے معاملات بگڑے ہیں، کیا ہم نے ان مفاد پرستوں کے تسلط کو توڑنے کی کبھی کوشش کی، اللہ کے فضل سے اب ہم بے دار ہوے ہیں تو ایک دن یہ تسلط ضرور ٹوٹے گا.

الحمدللہ نا ہی حضور تاج الشریعہ کی قیادت میں کوئی کمی ہے اور نا ہی شہزادہ تاج الشریعہ کی قائدانہ صلاحیتوں میں (یہ بات میں عقیدت کی بنا پر نہیں کہہ رہا بلکہ یہ وہ حقیقت ہے جسے میں نے قریب سے محسوس کیا ہے)، مگر اس بگڑے ہوئے سسٹم کی خرابیوں کو ہمیں سمجھنا ہوگا، ان خرابیوں کا سد باب کرنا ہوگا........ اگر مرکز سے وہ کام نہیں ہو پا رہے جن کی ہمیں توقع ہے تو (حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول کو نظر میں رکھتے ہوئے) ہمیں خود قدم بڑھانے ہوں گے، ہمیں کسی کی مخالفت و موافقت کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے خلوص کے ساتھ جہد مسلسل کرنی ہوگی اور نتیجہ اللہ رب العزت کی ذات پر چھوڑنا ہوگا، اسی فکر کے تحت ہم نے ''تحریک فروغ اہلسنت''، ''مجلس تحفظ ناموس رسالت صلی اللّٰہ عَلَیہِ وَسَلَّم'' کی بنا ڈالی ہے.....لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ ہم نے تھوڑا سا کام کر لیا تو ہم اپنے آپ کو قائد اعظم سمجھنے لگیں.....نہیں نہیں ہمارے قائد اعظم حضور تاج الشریعہ ہی ہیں جنہوں نے ہمیں دائرۂ شریعت میں رہ کر مجاہدانا زندگی گزارنے کا شعور بخشا..... ہمارے قائد حضرت علامہ خادم حسین رضوی ہیں جنہوں نے ہمیں میدان کارزار میں کود کر حق کی حمایت میں جان دینے کا جذبہ بخشا، باطل طاقتوں کو سرنگو کرنے کا جذبہ عطا فرمایا......

مولا سلامت رکھے ہمارے ان قائدین کو......ان کی سرپرستی میں ہمیں دین وسنیت کی خلوص کے ساتھ خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔

یا سیدی تاج الشریعہ

تیری نسبت نے سنوارا ہے ہمارا انداز حیات
گر ہم تیرے نہ ہوتے تو سگ دنیا ہوتے

□□□

حریم ادب

یعنی پاکیزگی افکار کے ایمان افروز جلوے

چاہتی ہے خون دل سے آبیاری زندگی

■ ڈاکٹر سید شاہ طلحہ رضوی برقؔ: داناپور

زندگی ہاں زندگی کتنی ہے پیاری زندگی
نعت سرور دل کی دھڑکن حمد باری زندگی
بے خزاں ہے طیبہ میں کیا نوبہاری زندگی
کی وصحرائی دشتی کوہساری زندگی
مردے تو اٹھے تھے حکم قم باذن اللہ سے
استن حنانہ تجھ پر کیوں ہے طاری زندگی
ہاں شہید ناز عشق مصطفیٰ سے پوچھ لو
موت پر کس طرح کرتی ہے سواری زندگی
داغ دل عشق نبی میں رشک گلہائے ارم
چاہتی ہے خون دل سے آبیاری زندگی
ہے بڑی بات ان کے غم میں آنکھ سے جھرنے بہیں
خوش نصیبوں کے لئے ہے آبشاری زندگی
قبر میں ان کی زیارت کا شرف ہوگا نصیب
ہے عذاب جاں پہ مجھ کو انتظاری زندگی
غیر ممکن ہے کہ ہوایمان بے عشق رسول
کہتے رہئے خود کومومن خواہ ساری زندگی
ہجر کی شب چشم زخم دل بھی روتی ہے لہو
برقؔ بے چارہ سے عاجز ہے بیچاری زندگی

سجے گی ذِکر بنی کی محفل سلام ہوگا، قیام ہوگا

■ علامہ شبنم کمالی: پوکھریرا

جو سر پہ بادل کا شامیانہ، قدم میں ماہِ تمام ہوگا
تجھے قیامت میں ڈھونڈ لینا حضور آسان کام ہوگا
سجے گی ذِکر بنی کی محفل سلام ہوگا، قیام ہوگا
یہ اک وسیلہ ہے جس سے مومن مقیم دارالسلام ہوگا
پھرے گی جنّت کی جستجو میں اِدھر اُدھر ہر بنی کی امت
تلاش جس کو کرے گی جنّت وہ مصطفیٰ کا غلام ہوگا
جو دل ہو حُبِ نبی سے خالی تو ایسا جینا عذابِ جاں ہے
مرے نہ جو نام مصطفیٰ پر تو ایسا مرنا حرام ہوگا
رسولِ آخر نہ دیکھے رب کو تو پھر شہادت کی اہمیت کیا
سنی سنائی شہادتوں کا کہیں بھی تو اختتام ہوگا
عروج کی شب نمازِ اقصیٰ کا تھا وہ منظر حسین کتنا
نہ ہوگی ایسی کبھی امامت نہ کوئی ایسا امام ہوگا
سراپا جس کا نبی کی یادوں کے تانے بانے میں کھو گیا ہو
لباس رحمت ملے گا اس کو کفن کا جب اہتمام ہوگا
کھلے ہیں صحنِ چمن میں آقا کی عظمتوں کے گلاب لاکھوں
مزاج فاسد نہیں ہو جس کا تو خود معطر مشام ہوگا

لالہ وگل ہیں شادماں وجد میں عندلیب ہے

■ مفتی قاسم براہیمی: مظفرپور

حسن بڑا امیر ہے عشق بڑا غریب ہے
دونوں مین ربط باہمی لیکن بڑا عجیب ہے
حسن جہاں نما فلک عشق ستم زدہ زمیں
فاصلہ پھر بھی کچھ نہیں بات بڑی عجیب ہے

دیکھوں اسے قریب سے ایسا نصیب ہے کہاں
پھر بھی وہ جان۔۔۔۔مری جان سے قریب ہے

میری نگاہ شوق میں ہے وہ زمین کربلا
عشق جہاں امام ہے عشق جہاں خطیب ہے

عشق میں دوریاں کہاں یہ تو ہے صرف اک گماں
سمجھا کئے تھے دل جسے سنگ در حبیب ہے

ہونہ ہو رخ سے آپ کے پردہ اٹھا ہوا ہے آج
لالہ وگل ہیں شادماں وجد میں عندلیب ہے

خادمؔ خستہ آپ نے سیکھی کہاں یہ شاعری
پردہ شعر میں کوئی بیٹھا ہوا ادیب ہے

معراج زندگی ہے اگران کا در ملے

■ مولانا سید اولادرسول قدسی

فکرونظر کو فضل کا ایسا ثمر ملے
میرا وجود ان پہ فدا سر بہ سر ملے

ان کے دیار میں جسے شام وسحر ملے
ان پہ نثار رحمت حق کی نظر ملے

بس ایک آرزوہے مرا طائر سخن
آقا کی مدح میں سدا محو سفر ملے

ایسے بھی آئیں زیست میں لمحات پر ضیا
یادوں میں ان کی مری تر بہ تر ملے

ہر گام رحمتیں رہیں عاشق کے ساتھ ساتھ
گستاخ شان کون ومکاں در بدر ملے

وقت ممات دید شہِ دین ہو نصیب
میری محبتوں کا حسیں یوں ثمر ملے

کیااس سے بڑھ کے چاہئے مجھ کومرے خدا
معراج زندگی ہے اگر ان کا در ملے

مجھ کو طلب کیاہے رسول انام نے
قدسیؔ در حضور سے ایسی خبر ملے

غم رسول مجھے یوں ہی مشکبور کھنا

■ ڈاکٹرمحمدامجد رضاامجدؔ

نبی کی بات ہے آدابِ گفتگو رکھنا
بدن کے ساتھ زباں کو بھی باوضو رکھنا

جو چاہتے ہو لحد اپنی مشکبو رکھنا
جگر کے زخم میں امجد رضا نمو رکھنا

قریب شمع رسالت اگر خدا لے جائے
تو پہلی شرط ہے پروانے جیسی خؤ رکھنا

ضرور آئے گی یاد حبیب پرسش کو
بس اپنے دل میں کوئی زخم آرزو رکھنا

ہے جن کا ذکر بھی کارثواب میں داخل
انہیں کی یاد قریب رگِ گلو رکھنا

مدینہ جاؤں میں خود کو تلاش کرتا ہوا
غم رسول مجھے یوں ہی مشکبو رکھنا

بروز حشر رکھے گا یہ سرخرو تجھ کو
نبی کے عشق میں دل کو لہو لہو رکھنا

یہ نعت گوئی فقط شاعری نہیں امجدؔ
رسول پاک سے ہے ربط گفتگو رکھنا

□□□

ضروری گزارش

جماعت اہل سنت کے ادباوشعرااس کالم کے لئے تازہ اور معیاری ہی کلام اشاعت کے لئے بھیجیں۔بصورت دیگر اشاعت سے معذرت ہے

ادارہ

AL-RAZA International (Bimonthly)
Ahmad Publications Pvt. Ltd., Hira Complex, Qutubuddin Lane,
Near Dariyapur Masjid, Sabzibagh, Patna, Bihar (India) 800004

Printed at: Ahmad Graphics, Patna #8521889323